أيُّ شَيْءٍ اَخْوَفُ عَلى اُمَّتِكَ مِنَ الدَّجَّالِ؟ قَالَ: الأَ ئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ

”(کسی نے پوچھا) دجال سے بھی زیادہ آپ کو اپنی امت پر کس چیز کا ڈر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا گمراہ کرنے والے اماموں کا“

عصرِ حاضر میں آئمۃ المضلّین کی گمراہیاں

اور سلف کا منہج

جمع وترتیب

عبد الفرقان رحمانی

((أَيُّ شَيْءٍ اَخْوَفُ عَلٰى اُمَّتِكَ مِنَ الدَّجَّالِ؟ قَالَ: اَلْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ))

’’(کسی نے پوچھا) دجال سے بھی زیادہ آپ کو اپنی امت پر کس چیز کا ڈر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا گمراہ کرنے والے اماموں کا‘‘۔(مسند احمد ج:۵ص:۱۴۵)

عصرِحاضر میں آئمۃالمضلّین
کی گمراہیاں
اور سلف کا منہج

جمع وترتیب: عبد الفرقان رحمانی حفظہ اللہ

ادارہ بیت الحمید

اسلامی لائبریری

آئمۃ المضلّین.......؟؟

❁ ’’آئمۃ المضلّین‘‘ سے کیا مراد ہے.........؟؟

❁ رسول اللہ ﷺ نے کیوں ان کو دجال سے بڑا فتنہ قرار دیا.........؟؟

❁ ’’آئمۃ المضلّین‘‘ کی پہچان کیا ہے.........؟؟

❁ ’’آئمۃ المضلّین‘‘مسلمانوں میں گمراہی کیسے پھیلاتے ہیں.........؟؟

❁ ’’آئمۃ المضلّین‘‘کس طرح دین میں رخنہ اندازی کرتے ہیں.........؟؟

❁ ’’آئمۃ المضلّین‘‘ کی گمراہی کا شکار کون بنتا ہے.........؟؟

❁ ’’آئمۃ المضلّین‘‘ کے فتنے سے بچنے کا قرآن وسنت کی روشنی میں راستہ کیا ہے.........؟؟

ان تمام پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے یہ کتاب ضرور مطالعہ کیجئے اور
دوسرے مسلمان بہن بھائیوں کو بھی ضرور پڑھائیے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آئمۃ المضلّین کی گمراہیاں اور سلف کا منہج

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَإِنَّ مِمَّا أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِي أَئِمَّةً مُضِلِّينَ)) [1]

"مجھے سب سے زیادہ خوف اپنی امت کے بارے میں گمراہ کرنے والے قائدین سے ہے"۔

"حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی امت کے اوپر دجال کے علاوہ ایک اور چیز سے ڈرتا ہوں ۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین دفعہ دہرائی ۔ میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! دجال کے علاوہ وہ کون سی چیز ہے جس کے تعلق سے اپنی امت کے بارے میں آپ ڈرتے ہیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "آئمۃ المضلّین" گمراہ کرنے والے قائدین۔" [2]

"میں اپنی امت کے بارے میں جس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے قائدین ہیں"۔ [3]

((أَيُّ شَيْءٍ أَخْوَفُ عَلَى أُمَّتِكَ مِنَ الدَّجَّالِ؟ قَالَ: الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّينَ)) [4]

---

[1] رواہ ابن ماجہ ،کتاب الفتن, عن ثوبان رضی اللہ عنہ واسنادہ صحیح۔

[2] رواہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ،مسند احمد جلد: ۵، صفحہ ۱۴۴۔

[3] رواہ ابوداؤد عن ابی درداء رضی اللہ عنہ

[4] مسند احمدج: ۵ص: ۱۴۵۔

"(کسی نے پوچھا) دجال سے بھی زیادہ آپ کو اپنی امت پر کس چیز کا ڈر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا گمراہ کرنے والے اماموں کا"۔

شیخ ابو قتادہ الفلسطینی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اس بات کو واجب کرتا ہے کہ "آئمۃ المضلّین" کو ظاہر کیا جائے جیسے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے دجال کے معاملے کو واضح کیا اس کے تمام فتنوں کے ساتھ، جبکہ دجال دنیا میں واقع ہونے والا سب سے بڑا فتنہ ہے جیسے کہ بعض احادیث میں آیا ہے۔ تو یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ "آئمۃ المضلّین" اس دجال سے بھی زیادہ بُرے اور امت کے لئے فساد کا باعث ہیں"۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات اور اس کے علاوہ اس موضوع سے متعلق دیگر احادیث کا مطلب یہ ہے کہ دجال کی آمد سے قبل ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ایسے گمراہ کرنے والے قائدین، دانشور اور نام نہاد محققین پیداء ہوں گے کہ ان کی فتنہ پر اندازی اور شر انگیزی دجال کے فتنہ سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوگی، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس خطرناک فتنے سے خبر دار کیا ہے۔

"آئمۃ المضلّین" سے مراد:

یہاں یہ امر واضح رہے اور عامۃ الناس بھی اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ یہ "آئمۃ المضلّین" "گمراہ کرنے والے آئمہ" سے صرف وہ رہنما، قائدین اور دانشور مراد نہیں جو کہ کھلم کھلا اور واضح طور پر اسلام سے بیزار ہوں اور اسلام کے احکام و قوانین سے اور اس کے نفاذ سے شدید بغض و عناد رکھتے ہوں، کیونکہ ایسے لوگوں کی اسلام دشمنی عوام الناس پر واضح ہوتی ہے اور ان سے بہت کم ہی

[1] سلسلہ مقالات بین منہجین لأبي قتادہ الفلسطینی :۱۰۔

لوگ گمراہی کی طرف جاتے ہیں، بلکہ ان سے مراد وہ رہنما، قائدین، دانشور، اسکالر، محققین اور وارثین انبیاء کے دعوے دار وہ علماء سوء ہیں جو بظاہر تو اپنا ناطہ و رشتہ قرآن وحدیث سے جوڑنے کے دعوے دار ہوتے ہیں، اس کے ساتھ عقل و دانش، فصاحت وبلاغت اور خطیبانہ انداز میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے، مگر شریعت اسلامی کے وہ احکام و قوانین جن پر امت کے عروج وزوال بلکہ موت وزندگی کا سوال ہے اور جن کے بارے میں قرآن و حدیث کے نصوص بالکل واضح و مبین ہیں اور جن میں کسی کلام یارائے کی گنجائش نہیں۔ اُن کو بھی:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

کس قدر بے توفیق ہوئے فقیہانِ حرم

کے مصداق علمائے یہود کی طرح:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهِ[1]

"وہ کلمات (شریعت) کو اپنے مقامات سے پھیر دیتے ہیں"۔

اور ان تمام افعال سے ان کا مقصود و مطلوب صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی تمام مادّی و مالی فوائد سے مستفیذ ہو سکیں، اور اپنی جاہ و مسند کو بچانے کی خاطر اُن حکمرانوں کے مسلمان ہونے اور ان کی حکمرانی کے جائز ہونے کے جھوٹے اور گمراہ کن دلائل ڈھونڈیں

جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف اپنا حکم نافذ کر رہے ہوں اور جن کی اسلام و مسلمان دشمنی اور یہود ونصاریٰ سے دوستی کسی سے پوشیدہ نہ ہو۔ اس کے باوجود وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے ہمدرد اور غم خوار کے طور پر اپنی عظیم الشان مسندوں اور عہدوں قائم رہیں۔ ایسے "آئمۃ

[1] المائدۃ:۱۳۔

المضلّین'' کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو پہلے ہی خبر دار کر دیا تھا۔ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ راویوں کی وساطت سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت میں سے کچھ لوگ دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کریں گے، قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے ہم امراء (حکام) کے ہاں جاتے ہیں تاکہ ان کی دنیا میں سے بھی کچھ لے لیں اور اپنے دین کو بھی بچا رکھیں، حالانکہ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں، جس طرح ببول کے درخت سے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ملتا، اسی طرح ان امراء کی قربت سے بھی خطاؤں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا''۔[1]

امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے بعد میری امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو قرآن پڑھے گا اور دین میں تفقہ حاصل کرے گا۔ شیطان ان کے پاس آئے گا اور ان سے کہے گا کہ کیسا ہو اگر تم لوگ حاکم کے پاس جاؤ؟ وہ تمہاری دنیا کا بھی کچھ بھلا کر دے گا اور تم لوگ اپنے دین کو اس سے بچائے رکھنا! جبکہ ایسا ہو نہیں سکتا، کیونکہ جس طرح ببول کے درخت سے کانٹوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح ان کی قربت سے خطاؤں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا''۔

امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] ابن ماجه عن عبد الله بن عباس رضي الله عنه

” جو شخص ظالم حکمران کے پاس خود اپنی مرضی سے گیا، اس کی خوشامد کرنے کے لیے، اس سے ملاقات کی اور اسے سلام کیا تو وہ اس راہ میں اٹھائے گئے قدموں کے برابر جہنم میں گھستا چلا جائے گا، یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر لوٹ آئے، اور اگر وہ شخص حکمران کی خواہشات کی طرف مائل ہوا یا اس کا دستِ بازو بنا تو جیسی لعنت اللہ کی طرف سے اس (حاکم) پر پڑے گی ویسی ہی لعنت اس پر بھی پڑے گی، اور جیسا عذاب دوزخ اُسے ملے گا ویسا ہی اِسے بھی ملے گا“۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تاریخ میں اور امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو عالم بھی صاحب اقتدار کے پاس اپنی مرضی سے گیا (اور اس کی ظلم میں معاونت کی) تو وہ اسے جہنم میں دیئے جانے والے ہر قسم کے عذاب میں شریک ہوگا“۔

امام حسن بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مسند“ میں، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابِ تاریخ میں، نیز امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ اور امام دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((العلماء امناء الرسل على عبادالله مالم يخالطوالسلطان ،فاذا خالطو السلطان فقد خانوالرسل، فاحذروهم، واعتزلوهم))

”علماء اللہ کے بندوں کے درمیان رسولوں کے (ورثے کے) امین ہوتے ہیں، جب تک وہ حاکم کے ساتھ نہ گھلیں ملیں۔ پس اگر وہ حاکم کے ساتھ گھلے ملے تو بلا شبہ انہوں نے رسولوں سے خیانت کی۔ تو (جو علماء ایسا کریں) تم ان سے خبردار رہنا اور ان سے علیحدہ ہو جانا“۔

لہٰذا امت مسلمہ کو اب جاننے کی اشد ضرورت ہے کہ ''آئمۃ المضلّین'' کی وہ کیا اوصاف اور نشانیاں ہیں جن کے ذریعے ان کو بے نقاب کیا جاسکے تاکہ عوام الناس ان کی فریب کاریوں اور گمراہ کن نظریات سے واقف ہو کر ان سے برأت کر سکیں۔

مسلمانوں کے تین طبقات:

اس سے پہلے کہ ہم ان گمراہ کرنے والے قائدین کے اوصاف کو جاننے کی کوشش کریں، اس بات کو بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے میں لوگوں کی دین کے حوالے سے کیا عمومی سوچ وفکر ہے اور وہ دین حوالے سے کیا طرزِ عمل اختیار کئے ہوئے ہیں ؟ تاکہ ان ''آئمۃ المضلّین'' کے طریقہ کار اور ان کے کام کرنے کے عملی میدان کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔ دین کے حوالے سے عمومی سوچ اور طرزِ عمل کے لحاظ سے عوام الناس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا طبقہ: وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہے جن کی عظیم اکثریت مغربی تہذیب وتمدن، ان کے اقدار اور اُن کے نظام سیاست، نظام معیشت اور نظام معاشرت سے بے حد متاثر ہے اور اس کو اپنی عملی زندگی میں اختیار کرنا چاہتا ہے مگر اس راہ میں مسلمانوں کی وہ باقی ماندہ اسلامی اقدار اور حمیتِ دینی رکاوٹ ہے جو اب بھی کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں میں موجود ہے۔

دوسرا طبقہ: مسلمانوں کا وہ ہے جو کہ دین کا درد اور اس سے ہمدردی رکھنے والا ہے۔ لیکن عامۃ الناس کی حیثیت سے کسی نہ کسی مذہبی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے اور اس مکتبہ فکر کے رہنما اور قائدین کی پیروی کرنے والا اور اُن کی بتائی ہوئی ہر بات پر بلاچوں چرا اس عمل کرنے والا ہے۔

تیسرا طبقہ: مسلمانوں کا وہ ہے جو کہ اسلام کا ہمہ گیر اور جامع تصور رکھتے ہوئے اس کو ایک مکمل نظامِ حیات ہی نہیں سمجھتا بلکہ اُس کے معاشرے میں عملی نفاذ کو اپنا ایک ''فریضۂ دینی'' سمجھتا ہے اور اس کام کے لئے وہ دین کے نفاذ کا دعویٰ کرنے والی کسی نہ کسی جماعت سے منسلک ہے۔

’’آئمة المضلّین‘‘ کے تین میدان:

لہٰذا آج کے ’’آئمة المضلّین‘‘ کے بھی یہ تین میدان ہیں جس میں وہ مختلف انداز اور زاویئے سے کام کر رہے ہیں:

اوّل: مسلمانوں کے پہلے طبقہ کو جو کہ مغربی تہذیب کا دلدادہ اور اس کو اپنی زندگی میں اختیار کرنا چاہتا ہے، یہ ’’آئمة المضلّین‘‘ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی غلط تاویلات اور محکمات کو چھوڑ کر متشابہات سے استدلال کر کے اُن کو مبہم دلائل فراہم کرتا ہے تاکہ یہ طبقہ مغربی اقدار و معاشرت مثلاً سود، زناء، شراب، موسیقی اور مخلوط طرز معاشرت وغیرہ کو بلا خوف و خطر اختیار کر سکے اور اس کے باوجود بھی اپنے آپ کو عین اسلام پر کاربند سمجھے۔

دوئم: جبکہ دوسرے طبقے کو ’’مست رکھو ذکر وفکر گاہی میں اسے‘‘کے مصداق چند مراسم عبودیت تک اُن کے تصور، جن کا اپنے مقام سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، محدود کرنا چاہتا ہے اور اسی تصور کو مکمل اسلام اور نجات کا قرینہ قرار دیتا ہے تاکہ عوام الناس کا یہ ’’سادہ لوح‘‘طبقہ اسلام اور مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ اور ان کے غلام حکمرانوں کی طرف سے درپیش حالات سے بے خبر اور لاتعلق رہ کر صرف اُن کی عقیدت میں ہی گُم رہے، اور یوں حاکم وقت بھی اُن سے خوش رہے اور ان کی مسند و جاہ کو بھی کوئی خطرہ نہ ہو۔

سوئم: اور تیسرا طبقہ جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے اور اسلام کے لئے اپنا جان ومال سب کچھ قربان کرنے کا سچا عزم رکھتا ہے ،اس کو یہ ’’آئمة المضلّین‘‘ اسلام کی اقامت و نفاذ کے اس طریقہ کار سے جو کہ قرآن و سنت سے بالکل واضح اور مبین ہے ،ہٹا کر اپنی عقل و دانش یا مغرب سے درآمد شدہ طریقوں کی طرف لے جاتے ہیں جس سے نہ

شریعت اسلامی کے نفاذ میں کوئی عملی پیشرفت ہوتی ہے اور نہ ہی دشمنان اسلام کو ان لوگوں سے کوئی حقیقی خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کے یہ رہنما، قائدین، دانشور اور اہل علم شعوری طور پر ''آئمۃ المضلّین'' کی فہرست میں شامل ہوں یا بالفاظِ دیگر شعوری طور پر وہ افعال کریں جس سے وہ اللہ کی نظر میں اور مسلمانوں کے لئے ''آئمۃ المضلّین'' ثابت ہوں، سوائے چند ایک کے جو باقاعدہ یہود و نصاریٰ کے ایجنڈے اور دشمنان اسلام کی طرف سے یہ خدمت انجام دیتے ہیں، اِن کے سوا اکثریت دین و شریعت سے ناواقفیت یا مسلمانوں پر وارد نامساعد حالات سے مایوس ہو کر یا دشمنان اسلام کی قوت و طاقت و رعب اور دبدبہ سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے لئے وہ ''راہِ عمل'' چنتے ہیں جس سے نہ صرف وہ خود گمراہ ہوتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت کو اپنی گمراہی کا شکار کر دیتے ہیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ [1]

''اور وہ خود اس امرِ حق کو قبول کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور بھاگتے ہیں تو درحقیقت وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں لیکن انہیں شعور نہیں''۔

بہر حال! اب ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں ان اوصاف کی طرف آتے ہیں جن سے ''آئمۃ المضلّین'' کو بے نقاب کیا جاسکے اور عوام الناس کو ان کی گمراہی سے بچا جاسکے۔

''آئمۃ المضلّین'' کی پہچان:

[1] الانعام: ۲۶۔

کوئی بھی مذہبی رہنما، قائد، دانشور و اسکالر اور اہل علم چاہے وہ کتنی ہی عقل و دانش کے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہوں اور علم و حکمت کے موتی تلاش کرنے کا ماہر ہو، پرزور خطابت اور قافیہ سے قافیہ ملانے میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو، نکتے سے نکتہ نکالنے اور ''تحقیق و ریسرچ'' میں اُس کی کوئی مثل نہ ہو، تعلیم و تعلم قرآنی اور درس و تدریس میں کتنا ہی مشغول ہو اور معاشرے میں اس کی دین فہمی کا بھی خوب چرچا ہو لیکن اگر مندرجہ ذیل معاملات و احکامات میں وہ قرآن و سنت کے بنیادی نصوص و دلائل اور سلف و صالحین کے متفقہ فتاویٰ اور مؤقف سے ناواقف رہ کر یا ان سے شعوری طور پر ہٹ کر اپنی عقل، رائے یا اجتہاد سے کام لیکر کوئی اور تصور یا فلسفہ پیش کرے تو کوئی بعید نہیں کہ وہ جلد یا بدیر مسلمانوں کے لئے ''آئمۃ المضلّین'' ثابت ہو جائے۔ وہ چار معاملات درج ذیل ہیں:

❶ جہاد فی سبیل اللہ

❷ عقیدۃ الولاء والبراء

❸ طاغوت

❹ سنت رسول ﷺ

① جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے یہ ''آئمۃ المضلّین'' کا گروہ مسلمانوں کے پہلے طبقے میں یہ نظریہ عام کر دیتا ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا بلکہ صرف اچھے اخلاق، اچھی معیشت اور زمانے کے رنگ سے ہم آہنگ ہو کر چلنے سے پھیلا۔ اس کے لئے وہ تاریخ اسلامی کے کچھ واقعات کو توڑ مروڑ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسلام میں کوئی جنگ و قتال نہیں۔ دشمنانِ اسلام مسلمانوں پر کتنا ہی ظلم ڈھا دیں، یہ گروہ ہر دم، ہر لحظہ مسلمانوں کے اس نام نہاد ''روشن خیال'' اور ''اعتدال پسند'' طبقے کو مفاہمت، بھائی چارہ، رواداری اور برداشت کا درس دیتا نظر آتا ہے۔

"سادہ لوح"مسلمانوں پر مشتمل دوسرے طبقے کو یہ گروہ اوّلاً مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم اور خاص کر "دین اسلام" کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے بے خبر اور لا تعلق رکھنے اور ان کو صرف اپنی عبادات اور ریاضتوں میں ہی مگن رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر کسی وجہ سے یہ سادہ لوح مسلمان کسی معاملے میں جاگنے کی کوشش کریں تو یہ گروہ فوراً مسلمانوں کو دوبارہ خوابِ غفلت میں لے جانے کے لئے مختلف بہانے اور عذر تراش تراش کر دیتا ہے۔ اب چاہے یہ کام شعوری طور پر کسی مادّی ومالی فائدے یا دین کے تقاضوں سے منہ چرانے یا غیر شعوری طور پر قرآن و سنت کے محدود علم کی بناء پر ہو۔ لہٰذا جب بھی عامۃ الناس کا رُخ ظالم و جابر اور اللہ سے باغی حکمرانوں کی طرف ہوتا ہے تو یہ اپنی توپوں کا رُخ فوراًعامۃ الناس کی طرف کر دیتے ہیں کہ یہ سب صرف تمہارے ہی اعمالوں کا شاخسانہ ہے لہٰذا صرف اپنی اصلاح کی فکر کرو، دوسروں کے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دو اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا تمہارے سے کوئی تعلق نہیں۔

مسلمانوں کا وہ تیسرا طبقہ جو کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے "اصل جوہر" کی حیثیت رکھتا ہیں اور اگر مسلمانوں کے پہلے دو گروہ راستے سے ہٹ بھی جائیں لیکن وہ قرآن و سنت اور سلف صالحین سے ثابت شدہ منہج اور راستے پر چلے تو بھی مسلمانوں اور اسلام کے لئے خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر ان کی عظیم اکثریت کا واسطہ کسی ایسے رہنما یا قائد یا جماعت سے پڑ جائے جو کہ شریعت اسلامی کے نفاذ اور اس کی اقامت کی بظاہر جدوجہد کرنے والی ہو مگر "جہاد" کے بارے میں بیان کردہ قرآن و سنت اور سلف و صالحین کے مؤقف سے روگردانی کرے اور اپنی عقل و فہم کے مطابق یا کسی اور کا دیئے ہوئے طریقے کو اپنا لے مثلاً: اس کے لئے وہ مغرب کے دیئے ہوئے انسانی ارتقاء کو بہانہ بنا کر جمہوریت اور انتخابات کی راہ اپنائے یا مغرب کے عطاکردہ "پُرامن احتجاجی راستے "کو اصل سبیل مقرر کرے، موجودہ دور میں "جہاد فی سبیل اللہ" کو نا قابل عمل قرار دے، کہیں عددی قوت کا شکوہ کرے تو کہیں خلافت اسلامیہ میں فائز خلیفہ کے احکامات کو طاغوتِ وقت پر فٹ کرے، تو جان لیجئے یہ چیز مسلمانوں کے لئے کسی عظیم نقصان سے کم نہیں۔

یہ وقت ہوتا ہے کہ جب ''آئمۃ المضلّین'' کا گروہ مسلمانوں کے اس طبقے میں بھی وجود میں آجاتا ہے جو اس لحاظ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے کہ وہ علمی اور فکری بنیاد پر کھڑا ہوتا ہے اور اس کی شر انگیزی اتنی سخت ہوتی ہے کہ وہ سلف صالحین کے منہج سے ہٹ کر دین کے بنیادی احکامات کے بارے میں ایسی ایسی دلیلیں گھڑتا ہے جس کے فتنہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے بھی پناہ مانگی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''آخری زمانے میں ایسے مکار اور جھوٹے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی ایسی باتیں کریں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباؤاجداد نے سنی ہوں گی۔ (خبردار!) ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنوں میں مبتلاء نہ کر دیں''۔[1]

لہٰذا یہ گروہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی متفقہ اور اصطلاحی تعریف کے بجائے اپنی ہی بنائی ہوئی تعریف اور مفہوم کو بیان کرتا ہے اور اس کے مطابق احکامات اخذ کرتا ہے بلکہ جو گروہ یا جماعت بھی جہاد فی سبیل اللہ کے فریضے کو انجام دینے کے لئے کھڑی ہوتی ہے تو اس سے اُس کا بغض وعناد کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہوتا۔ غاصب یہود ونصاریٰ اور اللہ کے نازل کردہ شریعت کے خلاف اپنے بنائے ہوئے قانون کے مطابق حکومت کرنے والے ''طاغوتِ وقت'' کے خلاف جہاد کرنے والے اللہ کے بندوں کو بلاجھجک وہ ''خارجی'' اور ''گمراہ'' کے القابات سے نوازتا ہے۔ خود اس گروہ کا میدانِ جہاد سے دور تک واسطہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کے وہ اصل احوال سے واقف ہوتا ہے بلکہ وہ اس راہِ جہاد سے فرار اختیار کرنے والوں میں سب سے آگے ہوتا ہے لیکن منافقین کی طرح قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق کہ:

---

[1] صحیح مسلم عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ۔

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ [1]

”اور اگر لشکر تم پر حملہ آور ہو جائیں تو ان کا جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر کہیں صحراء میں بدوؤں کے درمیان جا بیٹھیں اور وہیں سے تمہاری خبریں واحوال پوچھیں۔“

یہ گروہ مغرب کے دجالی اور فریبی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی طرف سے دی ہوئے خبروں کو ”وحی“ سمجھ کر یہود ونصاری اور اُن کے فکری غلاموں اور طاغوتی حکمرانوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین پر طعن و تشنیع کرتا ہے، اُن کے خلاف اپنے زبان و قلم بھی حرکت میں لے آتا ہے۔ آپ کو ایسے مفکرین اور محققین کی عالم عرب میں بھی اور برصغیر پاک وہند میں بھی کچھار نظر آئی گی، جن کے بارے میں قرآن کریم کا یہ فیصلہ صادق آتا ہے:

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا [2]

”وہ تمہارے بارے میں بہت ہی زیادہ کینہ وبغض رکھتے ہیں۔ پھر جب خوف ودہشت (یعنی جہاد) کا وقت آجائے تو تم انہیں دیکھو گے کہ تمہاری طرف نظریں جمادیتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جیسے اس شخص کی جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خوف جاتا رہتا ہے تو تم پر اپنی قینچی جیسی زبانوں سے چڑھائی کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہی نہیں تھے تو اللہ نے ان کے تمام اعمال برباد کر دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام نہایت آسان ہے“

---

[1] الاحزاب:۲۰۔

[2] الاحزاب:۱۹۔

جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے پیدا کئے جانے والے مختلف شبہات کا رد:

جہاد فی سبیل اللہ کے جن حوالوں سے یہ ''آئمۃ المضلّین''عوام کے ذہنوں میں مختلف شبہات وتردد پیدا کرتے ہیں تاکہ جو اس راہ کی طرف آنے کی خواہش بھی رکھتا ہو وہ بھی مایوس اور بد دل ہو کر اس طرف آنے کا خیال بھی نہ لائے:

- جہاد فی سبیل اللہ کے ''شرعی و اصطلاحی''معانی سے اعراض کرکے لغوی معنی پر احکامات کا استنباط کرنا۔
- جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے فرضِ عین یا فرضِ کفایہ کی واضح اصطلاحوں کے حوالے سے عوام میں شکوک وشبہات پیدا کرنا۔
- جہاد فی سبیل اللہ کو موجودہ دور میں مختلف باطل اور مردود تاویلات کے ذریعے ناممکن قرار دینا۔

لہٰذا عوام الناس اور عامۃ المسلمین کو چاہیے کہ ان ''آئمۃ المضلّین''کو اُن کے اپنے حال پر چھوڑ کر گمراہی وضلالت کی وادیوں میں بھٹکنے دیں اور جہاد فی سبیل اللہ اور دین کے دیگر بنیادی احکامات کے بارے میں صرف سلف وصالحین کے فتاویٰ اور مؤقف پر یقین پر بھروسہ کریں جو کہ انہوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کر دیئے کیونکہ ان معاملات میں ان ''آئمۃ المضلّین''سے استفتاء لینا، ان کی باتوں پر یقین کرنا دین وایمان کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔فضیلۃ الشیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہ (اللہ ان کو جلد رہائی نصیب فرمائے) فرماتے ہیں:

> ''ایک موحد بندے کو یہ بات جاننی چاہیے کہ وہ گمراہ علماء جو حکومتوں کا دفاع کرتے رہتے ہیں اور ان کے مال کا دودھ پیتے ہیں، ان کا کیا مقام ہے.........؟حق کی بات ان لوگوں کے بارے میں یہ ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور ان کے پاس جاکر علم حاصل نہ

کیا جائے اور ان سے بالکل فتویٰ طلب نہ کیا جائے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ "علم ہی دین ہے پس آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ دین کس سے لے رہا ہے"۔ پس لوگوں پر واجب ہے کہ وہ انہیں چھوڑ دیں حتیٰ کہ وہ مداہنت اور بادشاہوں اور سلاطین کی بے جاحمایت ترک کر دیں اور ان کے لئے جھگڑا کرنا چھوڑ دیں چنانچہ ان تنخواہ داروں کے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں:

☆ یا تو وہ حق کی بات کہیں اور طاغوتوں کی برائیوں اور خامیوں کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں اور یہی اعلیٰ وارفع بات ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طریقہ اور یہ رستہ تکلیفوں اور اذیتوں سے بھرا ہوا ہے لیکن اس کے آخر میں فوز وفلاح ہے، جنت عدن ہے اوران کے اس عمل میں امت کے لئے نصیحت ہے اور حق کا اظہار ہے۔

☆ لیکن اگر وہ اس اعلیٰ مرتبہ کو حاصل کرنے میں کمزوری کا اظہار کریں تو کم از کم انہیں چاہیے کہ وہ حکومتوں سے علیحدہ ہو جائیں اور تدلیس وتلبیس (غلط اور شیطانی تاویلات) اور گمراہی کے ذریعے ان کی مدد سے باز آجائیں اور حکمرانوں کے قبیح اعمال کو "شریعت کا جبہ" پہنانے کی کوشش نہ کریں۔

لیکن اگر یہ اپنی پہلی روش پر ہی گامزن رہیں تو ان سے الگ رہنا اور ان کے ساتھ تعامل نہ کرنا اور ان سے کسی قسم کا فتویٰ طلب نہ کرنا، واجب ہے۔ خصوصی طور پر ایسے لوگوں سے "السیاسۃ الشرعیۃ" اور "جہاد فی سبیل اللہ" کے مسائل میں بالکل بھی فتویٰ طلب نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کوئی ہماری اختراع نہیں بلکہ سلف وصالحین کا وطیرہ بھی یہی تھا۔ کتنے ہی اقوال ہمیں ملتے ہیں ان کے جو انہوں نے ایسے علماء کے بارے میں کہے جو بادشاہوں سے تحفے تحائف وصول کرتے تھے یا ان کے پاس آتے جاتے تھے، اور کتنا ہی زیادہ کلام اور جرح و تعدیل کی اُس شخص کے بارے میں جو بادشاہ کے پاس جاتا یا اُن کی "ولایت" کا دم بھرتا تھا۔ لیکن سوچئے کون سے بادشاہ وسلاطین؟ حالانکہ ان سلاطین کے جو محض "ظلم" کے

مرتکب تھے تو غور کیجئے کہ "سلاطین کفر و شرک والحاد" کا کیا حکم ہو گا؟ چنانچہ ایسے علماء کی اکثریت جو حکومت کے چرنوں میں بیٹھی ہے، یہ بات کسی طرح معقول نہیں کہ ان سے فتویٰ مانگا جائے یا سوال کیا جائے سیاستِ شرعیہ، یا فوج و پولیس میں بھرتی ہونے سے متعلق یا ان کی اسمبلیوں، پارلیمنٹوں میں جانے سے متعلق؟ ان کے متعلق اب ایک مسلمان کی کم از کم یہ ذمہ داری ہے کہ اس قسم کے فتوے ان سے طلب کرنے کے معاملے میں بچنا چاہیے ۔ جبکہ ان کا حکم یہی ہے کہ جو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ ان سے دور رہا جائے بلکہ ان کے (علمی) حلقوں سے بھی علیحدگی اختیار کی جائے تا کہ وہ کم از کم حکومتوں سے دور رہیں"۔ [1]

❁ جہاد فی سبیل اللہ کے " شرعی واصطلاحی " معانی:

اس سلسلے میں جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے قرآن و حدیث کی بنیادی نصوص اور سلف وصالحین کی بیان کردہ "شرعی واصطلاحی" معانی کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ امت مسلمہ کو کوئی بھی محقق یا مدبر کھڑا ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کے حوالے سے گمراہ کرنے کی کوشش نہ کرے۔

اب چند تعریفات آپ کے سامنے پیش خدمت ہیں۔ سب سے پہلے میں رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے کی گئی جہاد کی تعریف سن لیجئے:

((قال فای الھجرۃ افضل؟قال الجہاد، قال وماالجہاد؟قال ان تقاتل الکفار اذا لقیتھم ولاتغل ولاتجبن)) [2]

[1] بحوالہ الکواشف الجلیہ: للشیخ ابو محمد المقدسی۔

[2] کنز العمال ج ۱ ص ۷۲۔

"(ایک) صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے افضل ہجرت کون سی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین ہجرت جہاد کی ہجرت ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" جہاد یہ ہے کہ تم بوقتِ مقابلہ کفار سے لڑو اور اس راستے میں خیانت نہ کرو اور نہ بزدلی دکھاؤ"۔

((قیل وما الجهاد ؟قال ان تقاتل الکفار اذالقیتهم ـ قیل فای الجهاد افضل؟قال من عقر جواده واهریق دمه))[1]

"پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جہاد کیا چیز ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم مقابلے کے وقت کفار سے لڑو، کہا گیا افضل ترین جہاد کون سا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کا جہاد جس کا گھوڑا کٹ مرے اور خود اس کا بھی خون گر جائے (یعنی وہ شہید ہو جائے)"۔

((وفی الحدیث الصحیح الذی رواه الامام احمد :((قیل یا رسول الله ماالجهاد فی سبیل الله؟قال قتال الکفار))

"مسند احمد کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کے راستے کا جہاد کیا ہوتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کافروں سے لڑنے کا نام جہاد ہے"۔

چاروں آئمہ اربعہ، فقہا اور سلف وصالحین نے متفقہ طور پر اس سے کیا سمجھا؟

[1] کنز العمال ج۱ص۲۷۔

الجهاد بكسر الجيم اصله لغة هو المشقة وشرعاً بذل الجهد في قتال الكفار[1]

''جہاد کسرۂ جیم کے ساتھ لغت میں بمعنی محنت و مشقت ہے اور اصطلاحِ شریعت میں کفار سے لڑنے میں اپنی پوری طاقت کو استعمال کرنے کا نام جہاد ہے''۔

الجهاد هو القهر الاعداء اى المحاربة مع الكفار[2]

''دین کے دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لئے کفار سے لڑنے کا نام جہاد ہے''۔

''الجهاد أي قتال فى سبيل الله''[3]

''جہاد کے معنی قتال کرنا اللہ کی راہ میں''۔

''قتال الكفار''[4]

''جہاد کفار سے قتال کا نام ہے''۔

''الجهاد : القتال وبذل الواسع منه لاعلاء كلمة الله تعالىٰ''[5]

''جہاد دراصل قتال ہے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے تمام تر کوشش کرنے صرف کرنا ہے''۔

صاحبِ ''مجمع الانھر'' فرماتے ہیں:

---

[1] الفتح الباری ج۶ص۴۔

[2] شرح شرعة الاسلام ص۵۱۷۔

[3] امام الباجوری ،ابن القاسم ج۲ص۲۶۱۔

[4] مطالب أولى النهىٰ ج ۲ ص ۴۹۷۔

[5] عمدة الففقه ص۱۶۶،منتهى الارادات ج اول ص ۳۰۲۔

''والمراد الاجتهاد فی تقوة الدين بنحو قتال الحربين ، والزمين، والمرتدين الذين هم أخبث الكفار لانكار بعد الايمان، والباغين''[1]

''گویا جہاد سے مراد یہ ہے کہ دین کی تقویت کی خاطر جہاد کرتے ہوئے حربی کافروں سے قتال کرنا، (معاہدہ شکن) ذمیوں سے قتال کرنا، مرتدین سے قتال کرنا جو درحقیقت کفار کی خبیث ترین قسم ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان لانے کے بعد اس کا انکار کیا اور اسی طرح باغیوں سے''۔

لہٰذا جو شارع نے سمجھایا اور پھر سلف نے سمجھ کر اس کی تعریف کی ہے اور وہ سلف کی کتابوں میں موجود ہے تو اسی پر اعتماد رکھئے اور کسی کے ''زورِ خطابت'' سے دھوکہ نہ کھائیے۔

اس ضمن میں ایک ضروری اور اساسی بات سمجھنے کی ہے، وہ یہ جیسا کہ ہم سمجھ چکے ہیں کہ ''جہاد'' کے لغوی معنی تو ''بھرپور کوشش اور جدوجہد'' ہی کے ہیں لیکن شریعت کی اصطلاح میں ''جہاد فی سبیل اللہ'' سے مراد ''بذل الجهد فی قتال الکفار''یعنی کفار کے خلاف جنگ میں اپنی پوری قوت کھپا دینا ہے۔ لفظ'' جہاد فی سبیل اللہ'' کے الفاظ قرآن و حدیث میں جہاں مطلقاً استعمال ہوئے ہیں، اس کے یہی معنی ہے۔ لفظِ جہاد جب بھی ہمارے سامنے آئے گا ہم اس سے یہی مراد لیں گے۔ اگرچہ قرآن و حدیث میں بعض جگہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں بھی آیا ہے۔ لیکن چند جگہوں پر لفظِ جہاد کا لغوی استعمال اس کے اصلی اصطلاحی معنی کو نہیں بدلتا اور نہ اس سے جہاد فی سبیل اللہ کی مشروعیت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس کے لغوی معنی پر احکامات کا استنباط اور اس کو اخذ کریں گے تو پھر کوئی بھی شخص ''صلوٰۃ'' کو کبھی اپنی مرضی سے دُعاء مراد لے گا اور کبھی نماز لے گا، لفظ ''زکوٰۃ'' کو کبھی اپنی مرضی سے تزکیہ مراد لے گا اور کبھی اگر دل چاہے گا تو شریعت کی طرف سے مقرر کردہ زکوۃ مراد لے لے گا اور اسی طرح ''حج'' کو کبھی اپنے گھر کے قصد کے لیے قیاس کر لے گا اور کبھی اس کو ''حج بیت اللہ

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: کتاب السیر۔

"مراد لے لے گا۔ لہٰذا جو کوئی بھی دین میں ایسی تعریفات کرے تو جان لیجئے کہ اس سے بڑھ کر دین میں فساد ڈالنے والا کوئی نہیں اور ایسے لوگوں سے بچنا ہر مسلمان کے لئے واجب ہے۔

اسی طرح ایک ضروری بات یہ بھی سمجھ لیں کہ جہاد کی تعریف میں بعض علماء نے جہاد کی بعض انواع کا ذکر بھی کیا ہے یعنی ایک نوع جہاد بالمال ہے، دوسری نوع جہاد باللسان ہے اور تیسری نوع جان سے جہاد کرنا ہے۔ عرض یہ ہے کہ "جہاد باللسان" وہ ہے کہ جس سے جہاد کا فائدہ ہو یعنی جہاد کی ترغیب ہو، تقریر ہو، فضائل جہاد کا تذکرہ ہو، جہاد سے متعلق جوشیلے اشعار ہوں اور جان دار نظمیں ہوں، کفار کو دھمکی ہو، للکار ہو۔

یہ جہاد باللسان ہے، نہ یہ کہ دو گھنٹے کی تقریر و بیان کھانے پینے اور پہننے کے آداب پر ہو اور پھر کہا جائے کہ میں نے جہاد باللسان کیا۔ یہ نیک کام تو ہو سکتا ہے لیکن جہاد باللسان نہیں۔ اسی طرح "جہاد بالمال" یہ ہے کہ آپ کے مال سے میدانِ جہاد اور مجاہدین کو فائدہ پہنچے، نہ یہ کہ آپ نے کسی فقیر کو پیسہ زکوٰۃ ادا کیا اور پھر کہا کہ میں نے جہاد بالمال کیا، یہ نیک کام تو ہے لیکن جہاد بالمال نہیں۔ امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بذل الواسع والطاقة بالقتال فی سبيل الله عزوجل بانفس والمال وغير ذلك"[1]

"اللہ کے راستے میں جنگ کے لئے نفس، مال اور زبان وغیرہ کی پوری طاقت لگا دینا"۔

غرضیکہ ہر وہ کوشش جو کہ جہاد فی سبیل اللہ کی مدد و نصرت کے لئے کی جائے، چاہے وہ جہاد کے لئے لوگوں کو تیار کرنا ہو، یا مجاہدین کے لئے سامانِ حرب و رسد کا فراہم کرنا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ، بداع ج:۹ص:۴۲۹۹۔

((ان اللہ عزوجل یدخل بالسهم الواحد ثلاثة نفر الجنة ؛ صانعه الذی یحتسب فی صنعته الخیر ، والذی یجهز به فی سبیل اللہ ، والذی یرمی به فی سبیل اللہ))[1]

”بے شک اللہ عزوجل ایک تیر سے تین بندوں کو جنت میں داخل فرماتے ہیں۔ تیر بنانے والا جو اسے بنانے میں بھلائی کا ارادہ رکھتا ہو، اللہ کی راہ میں وہ تیر (مجاہد کو) مہیا کرنے والا ،اور اللہ کی راہ میں وہ تیر چلانے والا“۔

❁ جہاد فی سبیل اللہ کی دو اقسام کی وضاحت:

جہاد فی سبیل اللہ کی دو اقسام فقہا اور سلف نے یہ بیان کی ہیں:

1 فرضِ کفایہ یا اقدامی جہاد

2 فرضِ عین یا دفاعی جہاد

❶ فرضِ کفایہ یا اقدامی جہاد کے معنی اور اس کا شرعی حکم:

اقدامی جہاد جس کو ”جہاد الطلب“ بھی کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ”طلب الکفار فی بلادھم“، یعنی خود جنگ کی ابتداء کرتے ہوئے کفار کے علاقے میں گھس کر ان پر حملہ کرنا، جب کہ وہ مسلمانوں کے خلاف قتال کے لئے تیاری بھی نہ کر رہے ہوں۔ ایسے حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہوتا ہے، جس کی ادائیگی کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ:

(ا) سرحدوں پر اہل ایمان کی اتنی تعداد ہر وقت موجود رہے جو سرزمین اسلام کے دفاع اور اللہ کے دشمنوں پر دہشت بٹھانے کے لئے کافی ہو۔

[1] مسند احمد۔

(۲) سال میں کم از کم ایک مرتبہ مسلمان فوج کو کفار کے خلاف لڑنے کے لئے ضرور بھیجا جائے جبکہ کفار کا مسلمانوں کے خلاف کوئی لڑنے کا کوئی ارادہ بھی نہ ہو۔

لہٰذا مسلمانوں کے امام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ "دار الحرب" کی سمت لشکر روانہ کرے اور رعایا کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں امام کے ساتھ تعاون کرے۔ لیکن اگر امام کسی لشکر کو نہیں بھیجتا تو گناہ کا بوجھ اسی پر ہو گا۔[1]

اسی طرح فقہاء کرام سال میں ایک مرتبہ لشکر بھیجنے کے مسئلے کو "جزیے" کے مسئلے پر قیاس کرتے ہیں۔ علمائے اصول فرماتے ہیں:

''الجهاد دعوة قهرية فتجب اقامة بقدر الامكان حتى لايبقى الامسلم او مسالم''

"جہاد قوت وغلبہ کے ذریعے دعوت پھیلانے کا نام ہے۔ پس جہاد کو استطاعت بھر قائم کرنا فرض ہے یہاں تک کہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے جو مسلمان نہ ہو یا پھر مسلمانوں سے مصالحت (یعنی جزیہ دینے پر) آمادہ نہ ہو چکا ہو۔"[2]

" اقدامی جہاد" کی چند شرائط فقہائے کرام نے بیان کی ہیں جو درجِ ذیل ہیں:

(۱) سرپرست کی اجازت ہو۔
(۲) بعض کے ہاں طاقت کا توازن ہو۔
(۳) امیر عام ہو۔
(۴) دعوت الی الاسلام ہو۔

یاد رہے جہاد جس "دعوت" پر موقوف ہے اس کے تین جملے ہیں:

---

[1] حاشية امام ابن عابدين الشامي: ۳/۱۳۸۔

[2] حاشية الشرواني وابن القاسم على تحفة المحتاج على المنهاج: ۹/۲۱۳۔

(۱) اسلام قبول کر لو

(۲) جزیہ دو، اگر نہیں

(۳) تو قتال کے لئے تیار ہو جاؤ۔

رسول الملاحم، حضرت محمد ﷺ کی دعوت کیا تھی؟

((امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا: لاالہ الا اللہ فقد عصم منی نفسہ ومالہ الا بحقہ، وحسابہ علی اللہ))[1]

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کرو کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے اپنے جان ومال کو مجھ سے بچالیا، مگر کسی حق کے بدل۔ اور اس کا حساب اللہ پر رہے گا"۔

یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ علمائے اصول کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ "فرض کفایہ" مقرر مدت میں ادا نہ کیا جائے تو وہ "فرض عین" ہو جاتا ہے، جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے لیکن اگر مقررہ مدت میں کچھ لوگ اسے ادا نہ کریں تو پھر وہ تمام مسلمانوں پر فرضِ عین ہو جاتی ہے جب تک کہ کچھ لوگ اُس کو ادا نہ کر لیں۔

❷ فرضِ عین یا دفاعی جہاد کے معنی اور اس کا شرعی حکم:

دفاعی جہاد جس کو "جہاد الدفع" بھی کہتے ہیں، اس سے مراد ((دفع الکفار من بلادنا)) "کفار کو مسلمانوں کے علاقوں سے باہر نکالنے کے لئے جہاد۔ دفاعی جہاد فرض عین، بلکہ " اہم ترین فرض عین " ہے۔ چار صورتیں ایسی ہیں جن میں دفاعی جہاد تعین کے ساتھ ہر ایک مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے:

[1] صحیح البخاری، کتاب الجہاد۔

❁ ''اذا دخل الکفار بلدۃ من بلاد المسلمین''

''جب کفار مسلمانوں کے کسی بھی علاقے میں گھس آئیں''۔

موجودہ دور کے کچھ دانشور حضرات جو کہ ''ریسرچ اور تحقیق'' کے شعبے سے وابستہ ہونے کے دعویدار ہیں، اپنی تلبیسی استدلال کے ذریعے یہ بات عامۃ المسلمین میں پھیلا رہے ہیں کہ جہاد اگر ''فرض عین'' ہو بھی جائے تو وہ تمام مسلمانوں پر کبھی ''فرض عین'' نہیں ہوتا بلکہ اس کی ادائیگی صرف مسلمان حکمران اور ان کی افواج پر فرض ہے، عام مسلمانوں کی تو صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صرف تقریر و تحریر، پرنٹ میڈیا اور آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے پُر امن سیاسی و احتجاجی مظاہروں اور ریلیوں کے ذریعے دباؤ ڈالیں مگر خود اس جہاد میں شریک ہونا اُن پر فرض نہیں۔ اسی طرح یہ ریسرچ اور تحقیق کے دعوے دار جہاد کے فرض عین کو صرف اُن مصنوعی لکیروں تک محدود کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ معاہدہ سائیکس پیکو نے ہمارے لئے کھینچی تھیں یا جان انتون نامی برطانوی یا کسی اور فرانسیسی کافر نے جن کا تعین کیا تھا! لیکن ان مفکرین کے ان تلبیسی استدلال اور تاویلات کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔ عامۃ المسلمین کے لئے ان ''آئمۃ المضلّین'' سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔

چنانچہ اب ہم کچھ احادیث مبارکہ دیکھیں گے اور اس ضمن میں یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کے سلف و صالحین و فقہاء کرام نے جہاد کے فرضِ عین ہونے کو کیسے سمجھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس لئے نہ تو خود اس پر زیادتی کرے، اور نہ دوسروں کا نشانۂ ظلم بننے کیلئے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دے۔''[1]

[1] بخاری۔ مسلم۔

" جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان بندے کو کسی ایسے موقع پر بے یارو مدد گار چھوڑ دے گا ، جس میں اس کی عزت پر حملہ ہو ، اور اس کی آبرو اُتاری جارہی ہو ، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایسی جگہ اپنی مدد سے محروم رکھے گا جہاں وہ اس کی مدد کا خواہش مند ہو گا۔"[1]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وأما قتال الدفع فهو اشد انواع دفع الصائل عن الحرمة والدين فواجب اجماعا، فالعدو الصائل الذى يفسد الدين وا لدنيا لاشيئ أوجب بعد الايمان من دفعه، فلايشترط له شرط (كلزاد والراحة) بل يدفع بحسب الامكان ، وقد نص على ذلك العلماء ، أصحابنا و غيرهم''[2]

"اور جہاں تک بات ہے "دفاعی قتال" کی تو حرمتوں اور دین پر حملہ آور دشمن کو پچھاڑنے کے لئے یہ قتال کی اہم ترین قسم ہے اور اسی لئے اس کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے ۔ایمان لانے کے بعد سب سے "اہم ترین فریضہ" دین و دنیا کو برباد کرنے والے حملہ آور دشمن کو پچھاڑنا ہے۔ اس کی فرضیت کے لئے کوئی شرائط نہیں (مثلاً زادِراہ اور سواری موجود ہونے کی شرط بھی ساقط ہو جاتی ہے) بلکہ جس طرح بھی ہو دشمن کو پچھاڑا جائے گا۔ یہ بات علماء نے صراحتاً کہی ہے، خواہ ہمارے مذہبِ فقہی کے علماء ہوں، یا دیگر فقہی مذاہب کے"

امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر دشمن کسی بھی اسلامی سرحد پر حملہ آور ہو جائے تو (وہاں بسنے والوں پر) جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے قرب وجوار میں بسنے والے پر بھی جہاد فرضِ عین ہو جاتا

---

[1] سنن ابی داؤد۔

[2] الفتاوی الکبری ۴/۵۲۰۔

ہے۔ البتہ جو لوگ ان سے پیچھے، دشمن سے فاصلے پر بستے ہوں، تو جب تک ان کی ضرورت نہ پڑ جائے، مثلاً: جس علاقے پر حملہ ہوا ہے اس کے قرب وجوار میں رہنے والے لوگ دشمن کے خلاف مزاحمت کرنے میں بے بس ہو جائیں، یا بے بس تو نہ ہوں لیکن اپنی سستی کی وجہ سے جہاد نہ کریں، تو ایسی حالت میں ان کے گرد بسنے والوں پر بھی جہاد، نماز اور روزے کی طرح "فرضِ عین" ہو جاتا ہے اور اسے ترک کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر فرضیت کا یہ دائرہ اس کے بعد اور پھر اس کے بعد والوں تک حسب ضرورت پھیلتا جاتا ہے یہاں تک کہ اسی تدریج سے بڑھتے ہوئے ایک وقت مشرق ومغرب میں بسنے والے ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے"۔[1]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پس اگر دشمن مسلمانوں پر حملے کا ارادہ کرے تو اسے دفع کرنا سب پر فرض ہو گا، اُن پر بھی جو حملے کا "ہدف" ہو اور اُن پر بھی جو حملے کو ہدف نہ ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ[2]

"اور وہ اگر دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے"۔

اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (کئی احادیث مبارکہ میں) مسلمانوں کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم سب کے لئے ہے، خواہ کوئی باقاعدہ تنخواہ دار فوجی ہو یا عام مسلمان، ہر ایک پر حسب استطاعت جان، مال سے دفاعی جہاد کرنا فرض ہے، چاہے (افراد اور اسلحہ کی) قلت

[1] حاشیۃ ابن عابدین :۳/۲۳۸۔

[2] الانفال:۷۲۔

ہو یا کثرت، سواری میسر ہو یا پیدل ہی نکلنا پڑے۔ بالکل اسی طرح جیسے غزوۂ خندق کے موقع پر جب دشمن نے مسلمانوں کا رُخ کیا تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت نہیں دی"۔[1]

مسلمانوں کے تمام علاقوں کو ایک ہی "ملک" قرار دیتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب دشمن اسلامی سرزمین میں گھس آئے تو بلاشبہ اسے نکال کر باہر کرنا قریبی آبادیوں پر، اور اگر وہ نہ کرسکیں تو اس کے بعد والی قریبی آبادیوں پر "فرض" ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمانوں کے تمام علاقوں کی حیثیت دراصل ایک ہی "ملک" کی سی ہے۔ ایسی حالت میں والد اور قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر نکلنا فرض ہو جاتا ہے"۔[2]

امام عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور فتوے میں فرمایا:

((اتفق السلف والخلف وجميع الفقهاء والمحدثين فى جميع العصور الاسلامية أنه:اذا اعتدى على شبر من أراضى المسلمين أصبح الجهاد فرض عين على كل مسلم ومسلمة ،بحيث يخرج الولد دون اذن والده والمرأة دون اذن زوجها))[3]

"تمام سلف و خلف اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں تمام فقہاء اور محدثین اس بات پر متفق رہے ہیں کہ:

---

[1] مجموع الفتاویٰ :۲۸/۳۵۸۔

[2] الفتاوی الکبریٰ :۴/۶۰۸۔

[3] مقدمہ از "ایمان کے بعد اہم ترین فرضِ عین" ص:۵۴۔

اگر مسلمانوں کے سرزمین کے کسی گز بھر حصے پر بھی حملہ ہو، تو جہاد ہر مسلمان مرد و عورت پر "فرضِ عین" ہو جاتا ہے۔ایسی صورت میں بیٹا باپ کی اور عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نکلیں گے"۔

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اور تمام مسلمانوں کے اعتقاد میں یقینی طور پر یہ بات ہے کہ " دارالاسلام" کی سرحدوں پر رہنے والے جب دشمن سے خوف زدہ ہوں اور دشمن کے مقابلے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اور اپنے شہروں، جانوں اور اہل خانہ کے بارے میں خوف کا شکار ہوں تو تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کی مدد کے لئے اتنے لوگ نکلیں کہ جو دشمن سے دفاع کے لئے کافی ہوں اور یہ ایسی بات ہے جس کے بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں۔اس لئے کہ اس وقت کسی بھی مسلمان کا یہ قول نہیں ہوتا کہ ان کی مدد سے کنارہ کشی حلال ہے تاکہ کفار مسلمانوں کے خون اور ان کے بچوں کو قید کرنے کو حلال سمجھنے لگیں"۔[1]

درجِ بالا احادیث اور فقہا و سلف کے فتاویٰ و اقوال اور آخر میں امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے امت کے اجماع واتفاق سے یہ فتویٰ جاری کیا کہ کفار سے خوف ہو اور خوف زدہ علاقے کے باشندے قوت و طاقت اور وسائل میں مقابلے کے لئے کافی نہ ہوں تو پوری امت پر ان سے تعاون اور دشمن سے ان کا دفاع فرض ہے۔

اب جبکہ بات "خوف" تک نہیں رہی بلکہ عملاً دنیا بھر کے کافر مسلمانوں کے خون، مال، عزت اور اولاد سب کو مباح سمجھے ہوئے ہیں اور تختۂ مشق بنائے ہوئے ہیں تو ایسے وقت میں کیا جہاد کو "فرضِ کفایہ" قرار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس فریضہ کی ادائیگی سے منہ موڑنے کے مترادف نہیں؟؟

[1] احکام القرآن: ۴/۳۲۱۔

❁ ''اذا التقی الصفان وتقابل الزحفان''

''جب کفر و اسلام کے لشکروں کا آمنا سامنا ہو اور دونوں طرف کی صفیں ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! دشمن سے لڑنے کی آرزو نہ کرو اور اللہ سے عافیت طلب کرو۔ لیکن جب دشمن سے لڑنے کی نوبت آ ہی جائے تو ڈٹ جاؤ (اور پیٹھ نہ دکھاؤ) اور یہ جان رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے''۔[1]

ایسے موقعے پر جبکہ مسلمان اور کفار کے لشکر باہم مقابل ہوں تو جو کوئی جہاد سے پیٹھ پھیرے اور طرح طرح کے بہانے تراش کر جہاد سے راہِ فرار اختیار کرے تو سنئے اُس کے لئے اللہ رب العزت کس سزا کا فیصلہ فرما رہے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ[2]

''اے ایمان والو! جب کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پیٹھ نہ پھیر دینا۔ اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا سوائے اس کے کہ وہ جنگی چال کے طور پر پیچھے ہٹ رہا ہو یا جماعت کے ساتھ ملنے کیلئے، اس کے علاوہ اگر کسی نے پسپائی اختیار کی تو وہ اللہ کے غضب کا حقدار ٹھہرے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے''۔

---

[1] صحیح بخاری و مسلم۔

[2] الانفال:۱۶،۱۵۔

❁ ''اذا استنفر الامام افراداًأو قوماًوجب علیھم النفیر''

''جب امام کچھ افراد یا کسی قوم سے جہاد کے لئے نکلنے کا مطالبہ کرے، تو ان سب پر فرض ہو جاتا ہے کہ نکلیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا))[1]

''جب تم سے جہاد میں نکلنے کے لئے کہا جائے تو نکل جاؤ''۔

جب مسلمانوں سے نکلنے کا مطالبہ ہو تو اس حکم کو شریعت کی اصطلاح میں ''نفیر عام'' کہا جاتا ہے اور یہ دو صورتوں میں فرض ہو جاتا ہے:

(۱) جب امام جہاد کے لئے پکارے یا

(۲) جب مسلمانوں کو مدد کی ضرورت پڑ جائے، خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے۔

اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''موطا امام مالک'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

''یہ ضروری نہیں کہ کوئی خاص شخص مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارے کہ آؤ جہاد کرو۔ مقصود یہ ہے کہ ایسی حالت پیدا ہو جائے جو ''نفیر'' کا تقاضہ کر رہی ہو۔ پس جب کافروں نے بلادِ اسلامیہ (پر حملے کا) قصد کیا اور مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی شروع ہو گئی تو جہاد ''فرض ''ہو گیا، اور جب دشمنوں کی طاقت ان ممالک کے مسلمانوں سے زیادہ قوی ہوئی اور

[1] صحیح بخاری: کتاب الجھاد والسیر: وجوب النفیر وما یجب من الجھاد والنیۃ۔

مسلمانوں کی شکست کا خوف ہوا، تو یکے بعد دیگرے تمام مسلمانانِ عالم پر جہاد فرض ہو گیا ،خواہ کوئی پکارے یا نہ پکارے۔یہی حال تمام فرائض کا ہے۔ نماز کا جب وقت آجائے تو خواہ موذن کی صدائے حی علی الصلوٰۃ سنائی دے یا نہ دے ،وقت کا آنا وجوب کے لئے کافی ہوتا ہے"۔

اس مسئلے کو مزید واضح کرتے ہوئے امام ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ایسے حالات بھی پیدا ہوسکتے ہیں جب "نفیرِ عام"(یعنی ہر ایک کا نکلنا) فرض ہو جائے۔ لہٰذا دشمن جب مسلمانوں کی کسی سرزمین پر حملہ آور ہوں یا ان کے کسی علاقے کو گھیر لے تو جہاد "تعین" کے ساتھ ہر ایک پر فرض ہو جاتا ہے اور تمام لوگوں کے لئے جہاد کرنا اور اس کی خاطر گھروں سے نکلنا لازم ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اگر وہ ادائیگیٔ فرض میں کوتاہی کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ پس اگر نفیرِ عام کا حکم اس وجہ سے ہو کہ دشمن ہمارے کسی علاقے پر قبضہ کرلے یا مسلمانوں کو پکڑ کر قیدی بنالے تو سب پر جہاد فرض ہو جاتا ہے کہ وجۂ جہاد کے لئے نکلیں، اور ہر حال میں نکلیں، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، سوار ہوں یا پیدل ،غلام ہو یا آزاد. جس کے والد زندہ ہوں وہ ان کی اجازت کے بغیر نکلے اور جس کے والد فوت ہو چکے وہ بھی نکلے (اور جہاد کرتا رہے) یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب آجائے ،مسلمانوں کی سرزمین سے دشمن کا شر دور ہو جائے، اسلامی سرحدیں محفوظ ہو جائیں، دشمن رسوا ہو جائے ،سارے مسلمان قیدی آزاد ہو جائیں........اور اس بارے میں ان علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

لیکن (سوال یہ ہے کہ) اگر سب لوگ ہی جہاد چھوڑ کر بیٹھے رہیں تو اکیلا بندہ کیا کرے؟ اسے چاہیے کہ وہ کوئی قیدی تلاش کرے اور پیسے دے کر آزاد کرائے ،اور اگر

قدرت رکھتا ہو تو اکیلا ہی قتال کرے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو کسی مجاہد کو تیار کرے اور اسے سامان فراہم کرے"۔[1]

امام ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں:

''فان عدم الامام لم یؤخر الجهاد لأن مصلحته تفوت بتأخيره''[2]

"پس امام کی عدم موجودگی کی وجہ سے جہاد مؤخر نہ ہو گا، کیونکہ تاخیر کرنے سے جہاد کی مصلحت فوت ہو جائے گی"۔

❁ ''اذا أسر الكفار مجموعة من المسلمين''

"جب کفار کچھ مسلمانوں کو قید کر لیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فُكُّوا الْعَانِيَ))[3]

"قیدیوں کو رہا کرواؤ"

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

[1] احکام القرآن: ۲/۹۵۴۔

[2] المغنی: ۸/۲۵۳۔

[3] بخاری۔

"قیدیوں کو چھڑانا مسلمانوں پر واجب ہے، چاہے قتال کے ذریعے چھڑائیں یا اموال خرچ کر کے چھڑائیں، اور مال کے ذریعے چھڑانا زیادہ واجب ہے کیونکہ مال خرچ کرنا اپنی جانیں کھپانے سے کم تر اور زیادہ آسان ہے"۔[1]

امام المجاہدین عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں:

کیف القرار و کیف أ مسلم والمسلمات مع العدو المعتدی

قرار کہاں ہے؟ اور ایک مسلمان پر سکون کیسے ہو سکتا ہے جب کہ مسلمان عورتیں سرکش دشمن کی قید میں ہیں۔

الضاربات خدودهن برنة الداعیات نبیهن محمد

جو چیخ و پکار کے ساتھ اپنے رخسار پیٹتی ہیں اور اپنے نبی محمد ﷺ کو پکارتی ہیں۔

القائلات اذا خشین فضیحة جهد المقالة لیتنا لم نولد

ذلت و رسوائی کے خوف سے وہ سخت ترین بات کہتی ہیں کہ اے کاش! ہم پیدا ہی نہ ہوتیں۔

مانستطیع ومالها من حیلة الا التستر من اخیها بالید

نہ وہ طاقت رکھتی ہیں اور نہ ہی کوئی حیلہ کر سکتی ہیں سوائے اس بات کے کہ ہاتھ کے ساتھ اپنے بھائی سے پردہ کریں"۔[2]

---

[1] تفسیر القرطبی، سورۃ النساء: ۷۵۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۸\ ۴۰۸۔

کسی بھی عقل و شعور رکھنے والے شخص کے لئے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ درجِ بالا چاروں شرائط کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو آج جہاد کے ''فرضِ عین'' ہو جانے کے حوالے سے مسلمانوں کے مجموعی حالات یا صورتحال میں کوئی ایک بھی شاید نہ رہ گئی ہو؟ آج کفار و مشرکین مسلمانوں کے اکثر علاقوں میں قابض ہو چکے ہیں یا اُن کا اثر و نفوذ ان علاقوں میں اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ عملاً ان ہی کی عملداری ہو چکی ہے اور وہ ان علاقوں میں مسلمانوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو اپنے لئے حلال سمجھ چکے ہیں، کفار و مشرکین اور مسلمانوں کے لشکر پوری دنیا میں باہم مقابل ہیں، مسلمانوں کے لئے ''جہاد فی سبیل اللہ''میں پیچھے بیٹھے رہنے کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا کہ آج مسلمانوں کے اکثر مقبوضہ علاقوں کے رہنے والے مسلمان مدد و نصرت کے محتاج ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کی اکثریت آج الحمد اللہ !ایک شخص کو مسلمانوں کا''امیر المومنین''تسلیم کرتے ہوئے مختلف محاذوں پر مقامی امراء کی قیادت میں کفار و مشرکین سے برسرپیکار ہیں اور آج مسلمان عورتوں اور مردوں کی ایک کثیر تعداد کفار و مشرکین کی قید میں ہیں، چاہے وہ ابو غریب جیل ہو یا کیوبا کے گوانتاناموکا عقوبت خانہ، کابل میں قائم مشہور زمانہ بگرام جیل ہو یا کفار و مشرکین کے علاقوں کے علاوہ بلادِ اسلامیہ بشمول پاکستان، مصر ،ترکی، سعودی عرب وغیرہ میں پھیلے ہوئے عقوبت خانے، جن میں اُن پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے جارہے ہیں جن کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

لہٰذا آج کسی بھی شخص کے لئے مسلمانوں پر جہاد کے فرضِ عین بلکہ ''اہم ترین فرضِ عین''ہونے میں کوئی شک یا تردد یا ابہام نہیں رہنا چاہیے سوائے اس شخص کہ جس کے دل اور کانوں پر اللہ رب العزت کی طرف سے مہر لگ گئی ہو اور آنکھوں پر حجاب آ گیا ہو اور اس کے لئے ہدایت کے بدلے گمراہی اور نجات کے بدلے بربادی لکھ دی گئی ہو۔

❁ جہاد فی سبیل اللہ کا حکم قیامت تک کے لئے:

مسلم معاشرے کو اور ”عمرانی ارتقاء“ کو بنیاد بنا کر موجودہ دور کے جدیدیت پسند اور مغرب کی طاقت سے مرعوب، ریسرچ اور تحقیق میں اپنی حدوں کو پھلانگ جانے والے دانشوروں اور اسکالروں نے موجودہ دور میں:

(۱) اوّل مسلمان ہونے کی بناء پر ظالم حکمران کے خلاف ”خروج“ اور

(۲) دوم موجودہ زمانے میں عددی قوت اور ٹیکنالوجی کے فرق کی بنیاد پر

فی زمانہ ”قتال“ کو ناقابل عمل (Infesable) سمجھتے ہوئے مسلمانوں کے لئے یہ ”راہِ عمل“ تجویز کر رہے ہیں کہ:

” وقت کے دریا میں سے بہت سا پانی گذر گیا ہے اور حالات میں بہت تبدیلی آچکی ہے جس کی وجہ سے دین حق کی اقامت اور طاغوت کی حکمرانی سے نجات اور مسلمانوں کو کفار و مشرکین سے نجات دلانے کے لئے ”قتال “کے حوالے سے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اب قتال کی جگہ انتخابات ، پُر امن مظاہروں اور دیگر جمہوری طریقوں سے جدوجہد کی جائے۔“

جان لیجئے ! یہ بات قرآن و حدیث میں مذکور اللہ اور اس کے رسول ﷺ ارشادات اور سلف وخلف کے متفقہ فتاویٰ واقوال سے مطابقت نہیں رکھتی بلکہ اس کے بالکل برخلاف جاتی ہے۔ چنانچہ:

(1) اوّل بات کی پوری طرح وضاحت ان شاء اللہ ”طاغوت“ اور ”الولاء والبراء“ کے عنوان میں سمجھیں گے ۔ مختصر یہ کہ ”خلافت “کے ادارے کی موجودگی میں اگر کوئی مسلم حکمران مسلمانوں پر ظلم و ستم کرے اور مسلمانوں کا نظامِ حکومت کو صحیح انداز سے نہ چلائے تو اس صورت میں اس کے خلاف ”خروج“ کی شروط اور اس کے ساتھ صحابہ کرام اور سلف وصالحین کا موٴقف اور طرزِ عمل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جیسے یزید کے معاملے میں نواسہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور

حضرات صحابہ مثلاً حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل اور حجاج بن یوسف کے معاملے میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا خروج میں اختلاف۔ مگر وہ حکمران جو کہ خلافت کی موجودگی میں بحیثیت خلیفہ "کفر بواح" یعنی وہ اقوال و افعالِ کفر جن کی قرآن و سنت میں صریح دلیل موجود ہے اور جن کا مرتکب کوئی بھی شخص، دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس کے خلاف باتفاقِ صحابہ کرام اور سلف و صالحین "خروج" فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ نہ آج "خلافت" قائم ہے اور اس کے ساتھ بلادِ اسلامیہ حکومت کرنے والے اکثر حکمران اللہ کے نازل کردہ قانونِ شریعت کو چھوڑ کر اپنے وضع کردہ یا کہیں اور سے درآمد شدہ قوانین کو رائج کریں اور ان کی اہل ایمان اور دین اسلام سے دشمنی اور یہود و نصاریٰ سے دوستی جیسے "کافر و مرتد" بنادینے والے اعمال بھی آج کسی سے بھی پوشیدہ نہ ہوں پھر بھی وضع الشیئ فی محلہ "یعنی ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا" کے اصول کے برعکس ان پر "ظالم مسلمان خلیفہ" کے احکامات لگاتے ہوئے "خروج" کی بحث کرنا کم عقلی و کم علمی اور جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ شاید ایسی سوچ رکھنے والے لوگوں سے ہی دینی معاملات میں رہنمائی لینے سے خبر دار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

"یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ لوگ (اپنے دینی معاملات میں) جاہلوں سے علم حاصل کریں گے"۔[1]

((اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوساً جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا))

"لوگ جہلا کو اپنا بڑا بنالیں گے اور ان جاہلوں سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے جاری کریں گے۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

---

[1] رواہ الطبرانی واسنادہ صحیح۔

(2) دوم یہ کہ آج کے دور کے حوالے سے جس عددی قوت اور ٹیکنالوجی کی کمی کو بنیاد بنا کر قتال کے مرحلے کے حوالے سے ''اجتہاد'' کی بات کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ آج ہمارے پاس وہ عددی قوت اور ٹیکنالوجی نہیں جس کے ذریعے ہم باطل سے پنجۂ آزمائی کریں۔ چنانچہ موجودہ دور میں صرف یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ''الیکشن ''یا ''پُرامن احتجاجی مظاہروں''کے ذریعے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ اور ان کے پروردہ حکمرانوں کے ظلم و ستم سے نجات دلائی جائے۔

جان لیجئے! یہ بہت بڑا شیطان کا دھوکہ ہے اور آنکھوں کو دھوکہ دینے والا سراب ہے۔ اس کے برعکس ہمیں قرآن و حدیث میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات اور سلف و خلف کے طرز عمل سے یہ بات صراحت کے ساتھ ملتی ہے کہ تا قیام قیامت ''قتال''ہی وہ واحد طریقہ ہے جو کسی بھی کافر یا زبانی مسلمان حکمران کے خلاف فتنوں کو رفع کرنے اور غلبۂ دین حق کے لئے کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ اب کسی ''اجتہاد'' کی یا عقل کے گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ (لَا اِجْتِهَادَ مَعَ النَّصِّ) ''نص کی موجودگی میں کوئی اجتہاد نہیں''۔

ہاں البتہ یہ بات بھی واضح رہے کہ ''قتال'' کے لئے مقدور بھر تیاری کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور رسول اللہ احادیث میں واضح طور پر دیا ہے۔ لیکن یہ کہیں نہیں کہ قتال یا اس کی مقدور بھر تیاری کرنے کے بجائے کوئی اور جمہوری یا اپنے عقل و دانش کی وضع کردہ دوسری راہ اختیار کرلی جائے۔

''قتال کی حجیت تا قیام قیامت'' قرآن کی روشنی میں:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

"تم پر قتال کا کرنا فرض کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ تمہیں کتنا ہی ناپسند ہو اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے شر ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو"

الحمد للہ! تمام مسلمانوں کا اس بات پر ایمان ہے کہ قرآن کریم میں بیان کردہ کسی بھی شعبے میں رہنمائی، قیامت تک کیلئے قابل عمل ہے اوراس میں کسی تردّد کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ نے قتال کے مرحلے کے لئے رہنمائی دیتے ہوئے قرآن کریم نے حضرت طالوت کا لشکر جو کہ جالوت کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کے لئے کھڑا تھا، کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ [1]

"پھر جب طالوت اور اس کے مسلمان ساتھی دریا پار کر کے آگے بڑھے، تو انہوں نے طالوت سے کہا کہ "آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کو اس بات کا یقین تھا کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے، انہوں نے کہا: "بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اِذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمادیا:

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا [2]

---

[1] سورۃ البقرۃ: ۲۴۹۔

[2] سورۃ الاحزاب: ۲۵۔

"اور اللہ تعالیٰ کافی ہے مومنوں کی طرف سے جنگ کے لئے اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور زبردست ہے"

اس طرح سورۃ النسآء کی آیت ۸۴ میں اللہ رب العزت نے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَأْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَأْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا

"پس تم جنگ کرو اللہ کی راہ میں، تم اپنی ذات کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں۔ البتہ مومنوں کو قتال پر ابھاریئے۔ اللہ سے امید ہے کہ وہ کافروں کے زور کو توڑدے گا اور اللہ سب سے زیادہ زور والا اور سب سے سخت سزا دینے والا ہے"

اس آیت کے حوالے سے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ:

"ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اگر ایک شخص تنہا ہی مشرکوں پر کود پڑے، تو کیا اس کا یہ فعل اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے.؟ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَا! لِاَنَّ اللّٰهَ بَعَثَ رَسُوْلَهٗ، فَقَالَ: فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ))

"نہیں (ایسا نہیں ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بھیجا اور فرمایا: "پس تم جنگ کرو اللہ کی راہ میں، تم اپنی ذات کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں۔"[1]

[1] الفتح الربانی: ۱۴/۸، رواہ احمد و صححہ الحاکم ووافقہ الذہبی۔

موجودہ دور کے مادہ پرستانہ مفکرین کفار سے "قتال" کے لئے ان کے مساوی قوت و استعداد کے حصول کو لازمی قرار دیتے ہیں، وہ تو شاید قیامت تک بھی مسلمانوں کو حاصل نہ ہو سکے سوائے اللہ کی مدد و نصرت کہ، پھر تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ اہل ایمان نے کبھی جنگوں میں کامیابی اپنی قوت و استعداد کی بناء پر حاصل نہیں کی اور نہ ہی کبھی ان کو کفار کے مساوی طاقت و استعداد حاصل رہی، سوائے چند ایک استثناء کہ، ہمیشہ ان کو فتح و کامرانی جزبۂ جہاد، مقدور بھر تیاری اور پھر اللہ پر کامل توکل کی بنیاد پر ملی۔

غزوۂ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں کو اپنی کثرتِ تعداد اور اپنی طاقت و استعداد پر تھوڑا سا ناز ہو گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً تنبیہ اس صورت میں آئی کہ لشکر اسلام کے عارضی طور پر قدم اکھڑنے لگے۔ مگر بعد میں اللہ کی نصرت و مدد سے فتحیابی نصیب ہوئی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ [1]

"بے شک اللہ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی اور غزوۂ حنین کے دن بھی جبکہ تمہیں اپنی کثرتِ تعداد پر ناز تھا، مگر وہ تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول ﷺ پر اور مومنین پر نازل فرمائی اور وہ لشکر اُتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کو سزا دی کہ یہی بدلہ ہے اُن لوگوں کا جو حق کا انکار کریں"۔

[1] التوبۃ:۲۶،۲۴۔

آج بھی اگر اہل ایمان کا اللہ کی مدد و نصرت پر اور معجزات پر کامل یقین ہو اور کفار کے مساوی نہیں بلکہ اپنی مقدور بھر تیاری کے ساتھ میدان میں اُتریں، تو اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ [1]

"(اے کافرو!) تمہاری جمیعت، خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی (کیونکہ) اللہ مومنوں کے ساتھ ہے"۔

فضائے بدر پیدا کر کہ فرشتے تیری نصرت کو

گردوں سے اتر سکتے ہیں قطار اندر قطار اب بھی

"قتال کی حجیت تا قیام قیامت" احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں:

((بعثت بين يدی الساعة بالسيف، حتیٰ يعبدالله وحدهٗ لا شريك لهٗ وجعل رزقی فی تحت ظل رمحی، وجعل الذّل والصغار علی من خالف امری، ومن تشبه بقوم فهو منهم)) [2]

"مجھے قیامت تک کے لئے "تلوار" کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی جانے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا گیا ہے۔ اور جس نے میرے (اس) امر کی مخالفت کی، اُس کے لئے ذلت اور پستی رکھ دی گئی اور جس نے (میرے اس طریقے کو چھوڑ کر) کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو اُنہی میں (شمار) ہو گا۔"

[1] الانفال:۱۹۔

[2] احمد: مسندالمکثرین، طبرانی۔

((لا تزال عصابة من امتی یقاتلون علیٰ امر اللہ قاھرین علیٰ عدوھم لا یضرھم من خالفھم حتیٰ تاتیھم الساعة وھم علیٰ ذلك)) [1]

"میری امت کا ایک گروہ اللہ کے حکم کے مطابق قتال کرتا رہے گا، یہ لوگ دشمنوں پر چھائے رہیں گے، جس کسی نے ان کی مخالفت کی وہ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے اور اسی طریقے پر قائم رہیں گے۔"

((من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین ' ولا تزال عصابة من المسلمین یقاتلون علی الحق ظاھرین علی من ناواھم الی یوم القیامة)) [2]

"اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیدیتا ہے اور قیامت تک مسلمانوں میں سے ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور اپنے سے الجھنے والوں پر غالب رہے گی۔"

" مسلسل میری امت میں سے ایک جماعت لڑتی رہے گی حق پر۔ غالب رہے گی اپنے مخالفین پر یہاں تک کہ وہ آخر میں مسیح دجال (سے قتال کرے گی)" [3]

"میری امت سے ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ حق کے لئے لڑتا اور غالب رہے گا۔ آخر عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے اس (گروہ) کے امیر ان سے کہیں گے "آیئے ہماری امامت کیجئے" تو وہ کہیں گے "نہیں اللہ نے اس امت کو یہ شرف بخشا ہے کہ تم ہی آپس میں ایک دوسرے کے امیر ہو"۔ [4]

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارة۔

[2] صحیح مسلم۔

[3] ابوداؤد، باب دوام الجهاد۔

[4] مسلم واحمد ،بروایت عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔

''سلمہ بن نفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے 'کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد) میں رسول اکرم ﷺ کی مجلس بابرکت میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی کہنے لگا: اللہ کے رسول لوگوں نے گھوڑے باندھ لئے ہیں اور ہتھیار رکھ دیئے ہیں کہتے ہیں اب کوئی جہاد نہیں، بس اب جنگ ختم ہو چکی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے چہرہ مبارک آگے کیا 'فرمانے لگے: ''جھوٹ کہتے ہیں، ابھی تو جنگ جاری ہے 'میری امت میں تو ایک امت ہمیشہ حق پر قتال کرتی رہے گی 'ان کیلئے اللہ کچھ قوموں کے دلوں میں ٹیڑھ پیدا کر دے گا (تاکہ وہ ان سے لڑیں) مگر انہی سے ان کو رزق بھی فراہم کرے گا حتی کہ قیامت آجائے گی اور حتی کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا 'اور قیامت تک کے لئے اللہ نے گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر رکھ دی ہے (یعنی اب جہاد قیامت تک جاری رہے گا)''۔ [1]

افسوس! آج مسلمان دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو کر ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے اس مفہوم کو سرے سے بھول ہی گئے یا جہاد کے معانی ہی کو تبدیل کر کے اُس کو اپنے معانی پہنا دئے، لہٰذا آج مسلمان ہر جگہ ظلم و ستم کا شکار ہیں، قومیں ایک دوسرے کو اُن پر ٹوٹ پڑنے کی دعوت دے رہی ہیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم سودی کاروبار کرنے لگ جاؤ گے اور بیلوں کی دم کو پکڑے کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاؤ گے اور ((تَرَكْتُمُ الْجِهَادَ)) جہاد کو چھوڑ دوں گے تو اللہ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اسے اس وقت تک دور نہیں کرے گا، یہاں تک کہ تم اپنے ''دین'' (یعنی جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف لوٹ آؤ۔'' [2]

---

[1] سنن نسائی۔

[2] حدیث صحیح رواہ ابو داؤد۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

”قریب ہے کہ (کفر کی) قومیں تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دے کر بلائیں گی جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو دستر خوان پر دعوت دے کر بلاتے ہیں“۔ اس پر ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ کیا اس وقت ایسا ہماری قلتِ تعداد کی وجہ سے ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(نہیں،) بلکہ اس وقت تو تم زیادہ تعداد میں ہوگے، لیکن تم سیلابی پانی کے جھاگ کی طرح ہوگے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے ضرور ہی تمہاری ہیبت ختم کر دیں گے اور تمہارے دلوں میں ”وھن“ ڈال دیں گے۔“ تو پوچھنے والے نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ وھن کیا ہوگا؟ فرمایا:

((حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ))

” دنیا کی محبت اور موت کو ناپسند کرنا“ ۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! یہ وھن کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((حُبُّكُمُ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَتُكُمُ الْقِتَالَ))

”تمہارا دنیا سے محبت کرنا ”قتال“ کو ناپسند کرنا۔“[1]

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فریضہ سے مختلف بہانوں اور تاویلات کر کے روکنے والے ”آئمۃ المضلین“ سے مسلمانوں کو خبردار کر دیا تھا:

”جب تک آسمان سے بارش برستی رہے گی تب تک جہاد تر و تازہ رہے گا۔ اور لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب ان کے علماء یہ کہیں گے کہ یہ جہاد کا زمانہ نہیں ہے۔ لہٰذا ایسا دور

[1] ابوداؤد باب کتاب الملاحم، مسندِ احمد واسنادہ صحیح۔

جس کو ملے تو وہ ''جہاد کا بہترین زمانہ'' ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی ایسا کہہ سکتا ہے ؟ آپ نے فرمایا ''ہاں وہ جس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہو! یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے''۔ [1]

حضرت ابو رجاء الجزری حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ کہیں گے کہ ''اب کوئی جہاد نہیں ہے''۔ تو جب ایسا دور آجائے تو تم جہاد کرنا کیونکہ وہ ''افضل'' جہاد ہو گا''۔ [2]

❷ طاغوت:

اس سے پہلے کہ ہم لفظ ''طاغوت'' کی کچھ وضاحت کریں، یہ واضح کر دیں کہ طاغوت کے حوالے سے مسلمانوں کے پہلے طبقے کو اس معاملے کے حوالے سے کسی بحث کی حاجت ہی نہیں جبکہ مسلمانوں کے دوسرے طبقہ جو کہ دین کے بنیادی علم ہی سے نا آشناء ہوتا ہے، لہٰذا وہ کیا جانے ''طاغوت'' کس شے کا نام ہے، مگر جیسا کہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے باب میں یہ وضاحت کی گئی تھی کہ الحکم بغیر ماانزل اللہ ''یعنی اللہ کی نازل کردہ شریعت کے برخلاف دوسرے کفریہ قوانین کے ساتھ حکومت کرنا'' اور اہل ایمان سے دشمنی اور یہود و نصاریٰ سے دوستی اور وفاداری نبھانے والے طاغوتی اور کافر و مرتد حکمرانوں پر ''ظالم مسلمان خلیفہ'' کے احکامات لاگو کرنے والے یہ ''آئمۃ المضلّین'' دراصل مسلمانوں کے اس تیسرے طبقے کو ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے فریضے سے ہی دور رکھنے کی خدمت انجام دیتا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے یہ گروہ جو اصل فریب کاری اور عیاری کرتا ہے وہ یہ کہ اصول فقہ کے معروف قاعدے ((یتغیر الفتوی بتغیر الزمان)) ''یعنی زمانے کے احوال کے بدل جانے سے فتاویٰ بدل جاتے ہیں'' کے برعکس وہ احادیث اور فتاویٰ جو کہ مسلمانوں کے اُن حکمرانوں کے بارے میں ہیں جو کہ ظالم

---

[1] السنن الواردۃ فی الفتن ج:۳ص:۷۵۱، کنز العمال۔

[2] کتاب السنن ج:۲ص:۱۷۶۔

وجابر ہوں اوران کا نظامِ حکومت صحیح نہ چلا رہے ہوں مگر اُن سے ابھی وہ "کفر بواح" ظاہر نہ ہوا ہو جس سے کفر و ارتداد لازم آتا ہے، ان کو آج کے طاغوتی اور کافر و مرتد حکمرانوں پر لاگو کرتے ہیں اور وہ صریح احادیث مبارکہ اور سلف و صالحین کے فتاویٰ جو کہ ان حکمرانوں کے بارے میں ہیں جن سے وہ اقوال و افعال کفر ظاہر ہو جائیں جن کے بعد نہ صرف وہ کافر و مرتد قرار پاتے ہیں بلکہ جن کو حکمرانی سے ہٹانا مسلمانوں پر واجب اور ان کے خلاف "خروج" فرضِ عین ہو جاتا ہے، اس کو وہ اپنی تحریر وتقریر، مقالات و تحقیقات سے یکسر گول کر جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ

طاغوت سے مراد:

لہٰذا اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ ایک مسلمان "طاغوت" کی قرآنی اصطلاح کو بھی سمجھے، جس سے انکار اور برأت کرنے کا حکم خود اللہ رب العزت نے دیا ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا[1]

"جس نے طاغوت کا کفر کیا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔"

اور اسی حکم قرآنی کے بارے میں امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وهذا هو معنىٰ لا اله الا الله"[2]

"اور یہی معنی ہے لا الہ الا اللہ کے"

[1] البقرة: ۲۵۶۔

[2] الاصول الثلاثة: ص۵۵، للشيخ محمد بن سلمان التميمي رحمۃ اللہ علیہ۔

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وافترض اللہ علی جمیع العباد ،الکفر بالطاغوت والایمان باللہ''[1]

''فرض قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر یہ کہ وہ طاغوت کا کفر کریں اور اللہ پر ایمان لائیں''۔

چنانچہ اب ہم مختصر طور پر یہ بھی سمجھ لیتے ہیں کہ سلف صالحین اور فقہاء کرام نے اس لفظ''طاغوت''سے کیا سمجھا ہے اور کس پر انہوں نے اس لفظ کا اطلاق کیا؟امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''طاغوت ہر اس معبود یا پیشوا یا واجب اطاعت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے بندہ اپنی حد سے تجاوز کر جائے۔ لہٰذا ہر قوم کا''طاغوت''وہ ہوا جس کے پاس وہ اللہ اور اس کے رسول کے سوا فیصلے کے لیے جاتے ہیں، یا اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں، یا اللہ کی جانب سے بلا بصیرت اس کی اتباع کرتے ہیں، یا اس کی اس بات میں اطاعت کرتے ہیں جس کے متعلق وہ نہیں جانتے کہ وہ اللہ کی اطاعت ہے''۔[2]

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

[1] الاصول الثلاثة وادلتها:ص۵۱، للشیخ محمد بن سلمان التمیمی رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] اعلام الموقعین عن رب العالمین : ۱/۵۰۔

"ہر وہ شخص جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو، اور وہ اپنی اس عبادت پر راضی ہو ،چاہے وہ معبود بن کے ہو، پیشوا بن کے، یا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے بے نیاز ،واجب اطاعت بن کے ہو، وہ "طاغوت" ہوتا ہے"[1]

سلیمان بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "طاغوت" انسان کی صورت میں شیطان ہوتا ہے جس کے پاس لوگ تنازعات کے فیصلے لیجاتے ہیں۔"[2]

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسی لئے ہر حاکم جو کتاب اللہ کے بغیر فیصلہ کرتا ہو اسے طاغوت کہا گیا ہے"۔[3]

طاغوت کے سرغنے:

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والطواغیت کثیرون، ورؤسهم خمسة: ابلیس لعنه الله، ومن عبد وهو راض، ومن دعا الناس الی عبادة نفسه ومن ادعی شیئاً من علم الغیب، ومن حکم بغیر ما انزل الله"[4]

"طاغوت تو بے شمار ہیں مگر ان کے چوٹی کے سردار پانچ ہیں:

---

[1] الجامع الفرید: ۲۶۵۔

[2] تیسیر العزیز الحمید: ۴۹۔

[3] مجموع الفتاویٰ: ۱۲۸/۲۰۔

[4] الاصول الثلاثة وادلتها: ص۵۱، للشیخ محمد بن سلمان التمیمی رحمۃ اللہ علیہ۔

① ابلیس لعین۔

② ایسا شخص جس کی عبادت کی جائے اور وہ اس فعل پر رضامند ہو۔

③ جو شخص لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت دیتا ہو اگرچہ اس کی عبادت نہ بھی ہوتی ہو۔

④ جو شخص علم غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہو۔

⑤ جو شخص اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے خلاف فیصلہ کرے"۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سورۃ النساء کی آیت ۶۰ کی تفسیر میں ایک منافق کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کئے گئے فیصلہ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے یہودی سردار کعب بن اشرف کی طرف رجوع کرنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس کی گردن اتارنے کا واقعہ "روح المعانی" میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لفظ طاغوت کے لغوی معنی سرکشی کرنے والے کے ہیں اور عرف میں شیطان کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ اس آیت میں کعب بن اشرف کی طرف مقدمہ لے جانے کو، شیطان کی طرف لے جانا قرار دیا ہے، یا تو اس وجہ سے کہ کعب بن اشرف خود ایک شیطان تھا، اور یا اس وجہ سے کہ شرعی فیصلہ چھوڑ کر خلافِ شرع فیصلہ کی طرف رجوع کرنا شیطان ہی کی تعلیم ہو سکتی ہے، اس کی اتباع کرنے والا گویا شیطان ہی کے پاس اپنا مقدمہ لے گیا ہے"۔[1]

ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

[1] معارف القرآن، جلد دوم، ص۴۵۸،۴۵۷۔

"یہاں صریح طور پر "طاغوت" سے مراد وہ حکام ہیں جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں اور وہ نظام عدالت ہے جو نہ اللہ کے اقتدار اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ کتاب اللہ کو آخری سند مانتا ہو"۔[1]

علامہ شیخ سلیمان بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" اس آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ طاغوت یعنی کتاب وسنت کے علاوہ دوسروں کے فیصلوں کو چھوڑنا فرائض میں سے ہے اور جو کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور طرف فیصلے لیجاتا ہے وہ مومن نہیں بلکہ مسلمان تک نہیں ہے۔"[2]

شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اس طرح کرتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور جگہ سے فیصلہ کراتا ہے یا اپنی خواہشات کی تکمیل میں مگن ہے تو گویا اس نے عملاً ایمان اور اسلام کی رسی کو گردن سے اتار پھینکا۔ اس کے بعد خواہ وہ کتنا ہی ایمان کا دعویٰ کرے بے کار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ "طاغوت کا انکار کرنا" توحید کا سب سے بڑا رکن ہے۔ جب تک کسی شخص میں یہ رُکن نہ ہو گا وہ موحد نہیں کہلا سکتا"[3]

طاغوت کے ضمن میں "دارالحرب" اور "دار الاسلام" کی تعریف:

[1] تفہیم القرآن: ص: ۳۶۷۔

[2] تیسیر العزیز الحمید ص: ۴۹۱۔

[3] هداية المستفيد: ۱۲۲۳۔

ایک چیز جس کا یہاں تذکرہ ضروری ہے، وہ یہ کہ دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف سلف نے کیا کی ہے؟ "دارالحرب" کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "ردالمختار" میں لکھتے ہیں:

((لا تصیر دار الاسلام دارالحرب الا بأمور ثلاثة باجراء احکام اهل الشرك وبا تصالها بدارالحرب، وبان لایبقی فیها مسلم او ذمی امنا بالامان الاول علی نفسه)) [1]

"دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل نہیں ہوتا مگر تین چیزوں کے پائے جانے:

(۱) اہل شرک کے احکام جاری ہونے سے اور

(۲) اس شہر کا دارالحرب سے متصل ہونے سے اور

(۳) یہ کہ وہاں کوئی مسلمان یا ذمی اپنی ذات اور دین کے اعتبار سے امن اول سے مامون رہے۔"

اہل شرک سے اہل کفر مراد ہے یعنی اہل کفر کے احکام علی الاعلان بلا دغدغہ جاری ہوں، احکام اسلام وہاں جاری نہ ہوں اور دارالحرب سے متصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان کوئی اسلامی ملک واقع نہ ہو اور امن اول سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے سبب اور ذمی کو عہدِ ذمہ کی سبب کفار کے غلبے سے پہلے جو امن تھا وہ امن کفار کے غلبہ کے بعد مسلمان اور ذمی دونوں کے لئے باقی نہ رہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی دارالاسلام یا اس کا کوئی شہر اس وقت تک دارالحرب نہیں بنے گا جب تک بیک وقت مذکورہ تین چیزیں (یعنی ❶: اہل شرک کے احکام کا اجراء ❷: دارالحرب سے اس کا اتصال ❸: امن اسلام کا خاتمہ) نہ پائی جائیں۔ لیکن امام ابو یوسف

[1] فتاویٰ شامی، ص۱۷۴، ج۴۔

رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذکورہ امور میں سے صرف ایک ہی امر سے دارالحرب بن جاتا ہے یعنی دارالاسلام میں صرف احکام کفر جاری ہونے سے دارالحرب ہوجاتا ہے اور یہی قول قرین قیاس ہے۔

دارالحرب، ''دارالاسلام'' میں کیسے تبدیل ہوتا ہے؟ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ دارالحرب یا اس کا کوئی حصہ مسلمانوں کے قبضہ میں آنے کے بعد اس میں اسلامی احکام بھی جاری اور نافذ ہوں جیسا کہ در مختار میں ہے۔

دراء الحرب تصیر دارالاسلام باجراء احکام اھل الاسلام فیھا[1]

''اور دارالحرب میں اہلِ اسلام کے احکامات جاری ہونے سے دارالاسلام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔''

امام علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی متوفی رحمۃ اللہ علیہ ۵۸۷ھ ،اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''بدائع الصنائع'' میں رقمطراز ہیں:

''لاخلاف بین اصحابنا فی ان دارالکفر تصیر دارالاسلام لظھوراحکام الاسلام فیھا''[2]

''ہمارے علماء میں اس بات کا کسی میں اختلاف نہیں ہے کہ دارالکفر، دارلاسلام میں تبدیل ہوتا ہے اس میں اسلامی احکام ظاہر ہونے سے۔''

---

[1] فتاویٰ شامی۔ص۱۷۵،ج۴۔

[2] بدائع الصنائع۔ص۱۳۰،ج۷۔

''صارت الدار دار الاسلام بظھور احکام الاسلام فیھا من غیر شریطۃ اخری''[1]

''دارالکفر دارالاسلام میں تبدیل ہوتا ہے اس میں اسلامی احکام جاری ہونے سے دوسری کسی شرط کے بغیر۔''

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

'' وبمجرد الفتح قبل اجراء احکام الاسلام لاتصیر دار لاسلام''[2]

'' صرف فتح کے بعد احکامِ اسلام کے اجراء کے بغیر دارالحرب، دارلاسلام میں تبدیل نہیں ہوتا۔''

اس سے معلوم ہوا ''دارالحرب'' یا ''دارالکفر'' میں مسلمانوں کے غلبے اور تسلط قائم ہونے کے بعد جب تک اس میں اسلامی احکام جاری نہیں کئے جاتے تب تک اس کو ''دارالاسلام'' نہیں کہا جائے گا۔

نام نہاد مفکرین سے سوال:

جب آج کے نام نہاد مفکرین سے پوچھا جاتا ہے کہ سلف وصالحین کے نزدیک بالاتفاق یہ طے ہے کہ کوئی بھی خطہ زمین اس وقت ہی ''دارالاسلام'' قرار پاتا ہے جب اس پر حکومت کرنے والا بھی مسلمان ہو اور احکام و قوانین بھی مکمل طور پر شریعت کے نافذ ہوں۔ تو موجودہ حالات میں مسلمان ممالک کی شرعی حیثیت کیا ہو گی ؟ تو فوراً بغلیں جھانکنے لگتے ہیں اور جھنجلا کر کہتے ہیں کہ ''دارالاسلام'' اور

---

[1] بدائع الصنائع۔ص ۱۳۱، ج۷۔

[2] مبسوط سرخسی، ص ۳۲، ج ۱۰۔

"دار الحرب" کی اصطلاحیں "کونسی آسمان سے نازل شدہ ہیں" جن کو قبول کیا جائے اور ان اصطلاحات کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

ہائے افسوس! ان کی عقلوں پر اور ان کی نئی نئی ریسرچ پر۔ اگر اس طرح فقہاء اور سلف کی شریعت اسلامی کے لئے متعین کردہ متفقہ "اصطلاحات" کو رد کر دیا جائے تو پھر دین و شریعت کا "اللہ ہی حافظ"، کہ کل کو کوئی اٹھ کر یہ کہے گا کہ فرضِ عین و فرضِ کفایہ، مکروہِ تحریمی و مکروہِ تنزیہی، سنت موکدہ و سنت غیر موکدہ، مستحب و مباح کی اصطلاحات کونسی "وحی" کے الفاظ ہیں کہ جو ان کو قبول کیا جائے۔ جان لیجئے یہ بات تو سوائے انحراف اور فرار کے سوا کچھ نہیں۔

بہر حال! سلف و صالحین اور مفسرین کے درجِ بالا اقوال سے یہ بات متفقہ طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ "طاغوت" سے مراد ہر وہ شخص یا ادارہ بھی ہے جو الحکم بغیر ما انزل اللہ یعنی اللہ کے نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر اپنے وضع کردہ یا کسی اور کے بنائے ہوئے قوانین کو نافذ کرے اور اسی کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔

طاغوت کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ:

لہٰذا جو شخص یا ادارہ یا گروہ اللہ کے نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر اپنے وضع کردہ یا کسی اور کے بنائے ہوئے قوانین کو نافذ کرے تو اس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول نے کیا فیصلہ دیا ہے اور ہمارے اسلاف نے اس کے بارے میں کیا حکم دیا ہے؟ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ

"جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو کافر ہیں۔"

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

''جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو ظالم ہیں''

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ

''جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو فاسق ہیں۔''[1]

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طاؤس رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے جو روایت آئی ہے وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ:

'' اللہ کے نازل کردہ احکام کے علاوہ کسی اور چیز سے فیصلہ کرنے والا کافر ہے۔''[2]

''آئمۃ المضلّین'' چونکہ ''کلمات کو اس کے مقام سے پھیر دینے'' کے ماہر ہوتے ہیں لہذا اس آیت کے حوالے سے بعض سلف کے اقوال کو اُن کے اپنے مقام سے پھیر کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی بھی شخص چاہے وہ کتنا ہی الحکم بغیر ما انزل اللہ کے ساتھ حکومت کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی شریعت کی دھجیاں بکھیر دے، اس کے باوجود وہ مسلمان رہے گا اور اس کی اطاعت واجب رہے گی۔ اس کی دلیل میں وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول (الکفر دون کفر) جو کہ ایک طرف ضعیف بھی ہے اور دوسری طرف دراصل ''خوارج'' کے اس باطل استدلال اور غلط فہمی کا رد بھی جس میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے باہمی تنازعات واختلافات کے فیصلے کے لئے دو جلیل القدر صحابہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے والا مقرر کرنے کی بناء پر ان حضراتِ صحابہ کے بارے میں یہ کہا تھا کہ یہ حکمتم الرجال ''یعنی تم نے انسانوں کو فیصلے کرنے کا اختیار دیدیا ہے''۔ حالانکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ خوارج کی یہ رائے غلط تھی، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف بالفرض اگرچہ ایک

[1] سورۃ المائدۃ: ۴۴، ۴۵، ۴۷۔

[2] رسالہ تحکیم القوانین از مفتی محمد بن ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ۔ سعودیہ۔

دوسرے پر ظلم کا سبب بھی بنا ہو مگر کفر نہیں تھا کہ انہیں ملت سے خارج کر دیتا۔ چناچہ روایات میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ملتا ہے:

''انه ليس الكفر الذى تذهبون اليه''

''کہ جو تم جو کفر مراد لے رہے ہو، وہ کفر نہیں ہے''۔

اس میں ''تذهبون اليه'' کا جملہ دراصل خوارج اور ان کے متبعین سے خطاب ہے ۔لہٰذا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان آیات کی تفسیر نہیں بلکہ خوارج کی غلطی کی نشاندہی اور اصلاح کے لئے ہے۔ علامہ احمد محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ ''عمدۃ التفسیر'' کے تعلیق میں فرماتے ہیں:

''ہمارے زمانے کے ''گمراہ'' لوگ جو عالم کہلاتے ہیں، ان کیلئے یہ آثار کھلونا بنے ہوئے ہیں ۔وہ ان آثار سے ''وضعی قوانین'' (یعنی وہ قوانین جو کہ خود وضع کئے گئے ہوں) کے جواز کی دلیل لیتے ہیں جو آجکل اسلامی ممالک میں وضع کئے جا رہے ہیں''۔

چنانچہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ عبد اللہ بن طاؤس رحمۃ اللہ علیہما روایت کرتے ہیں کہ:

کسی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ''جو اللہ کے نازل کردہ کلام کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی لوگ تو کافر ہیں۔'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: هی كفر ''یہی کفر ہے''۔ دوسرے جگہ الفاظ ہیں هی به كفر ''یہی تو اللہ کے حکم کا کفر ہے'' ایک اور جگہ ان کے الفاظ ہیں كفى به كفر ''یہی عمل اس کے کفر کے لئے کافی ہے''۔

اس روایت کو عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بھی اور امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اور وکیع نے اخبار القضاۃ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سند صحیح سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی قول ثابت ہے کہ انہوں نے الحکم بغیر ما انزل اللہ کو ''کفر مطلق'' کہا ہے۔[1]

اس بات کی تائید سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے، جب اِن سے پوچھا گیا کہ:

''السحت'' سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''رشوت''۔ پوچھا گیا کہ اس کا لینا کیسا ہے؟ فرمایا: ''گناہِ کبیرہ ہے'' پوچھنے والے نے کہا: نہیں نہیں، (مطلب یہ ہے کہ) اس کے ساتھ تحکیم کرنا کیسا ہے؟ فرمایا:

((عَیْنُ الْکُفْرُ))[2]

''فیصلہ کرنا تو عین کفر ہے''

عظیم محدث امام ابو یعقوب بن اسحاق حنظلی رحمۃ اللہ علیہ جو ''ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے مشہور ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پایا کے امام ہیں، وہ فرماتے ہیں:

''اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس نے اللہ کو یا رسول اللہ کو گالی دی یا ''مَا اَنْزَلَ اللّٰہ'' اللہ کے نازل کردہ دین میں سے کسی حکم کو رد کر دیا یا کسی نبی کو قتل کیا ہو گا اگرچہ وہ ''مَا اَنْزَلَ اللّٰہ'' (اللہ کی شریعت) کا اقرار بھی کر رہا ہو پھر بھی وہ کافر ہے۔''[3]

[1] دیکھئے ''رسالۃ فی الطواغیت'' ابو عبد الرحمن الاثری اور ''امتاع النظر'' ابو محمد عاصم المقدسی۔
[2] صحیح بخاری۔
[3] الصارم المسلول بحوالہ اکفار الملحدین، ص ۳۳۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

لہٰذا جو شخص یا ادارہ یا گروہ، کسی بھی معاملہ جس میں شریعت کا حکم بالکل واضح ہو، غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نافذ کرے تو وسری طرف حقیقت میں اس وقت وہ اللہ کی شریعت کے صریح ''کفر'' کا مرتکب ہو رہا ہوتا ہے۔ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو شخص ''ضروریاتِ دین'' میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرتا ہے وہ ''کافر'' ہے اور (بقول قرآن، سورۃ البقرۃ:۸۵) ''ان لوگوں میں سے ہے جو کتاب اللہ کے کسی حکم کو مانتے ہیں اور کسی حکم کا انکار کرتے ہیں۔'' ظاہر ہے کہ ایسے لوگ باتفاق امت قطعاً ''کافر'' ہیں ،اگرچہ یہ لوگ اپنے ایمان، دینداری اور خدمت اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتے پیٹتے مشرق و مغرب کے قلابیں اور یورپ کو ہلاڈالیں۔''[1]

''ضروریاتِ دین'' کی تعریف کرتے ہوئے امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ضروریاتِ دین سے (مراد) وہ تمام قطعی اور یقینی امورِ دین ہیں جن کا دین رسول اللہ سے ہونا قطعی طور پر معلوم ہے اور حد تواتر و شہرتِ عام تک پہنچ چکا ہے، حتی کہ عوام کا وہ بھی طبقہ جو دین سے کوئی تعلق رکھتا ہو ان کو دین رسول اللہ جانتا اور مانتا ہو۔ مثلاً توحید، نبوت ، ختم نبوت ، حیات بعد الموت ، جزا و سزائے اعمال ، نماز اور زکوٰۃ کا فرض ہونا، شراب اور سود وغیرہ کا حرام ہونا۔''[2]

یہاں تک وہ مزید فرماتے ہیں:

---

[1] اکفار الملحدین، ص۱۷۔

[2] اکفار الملحدین، ص۶۶،۶۵۔

"ضروریاتِ دین میں کوئی ایسی تاویل کرنا بھی "کفر" ہے جس سے اُس کی وہ صورت باقی نہ رہے جو تواتر سے ثابت ہے، اور جو اب تک ہر زمانے کے خاص و عام مسلمان سمجھتے اور سمجھاتے چلے آئے ہیں، اور جس پر امت کا تعامل رہا ہے۔"[1]

اسی طرح جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے کلمہ کا اعتبار نہ کیا اور ان کو قتل کیا تو بشری قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے والے اور شریعت الٰہی کو رَد کرنے والے بھی یقیناً کافر ہیں، چاہے وہ کلمہ پڑھتے ہوں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جو شخص بھی کسی (قطعی) حکم شرعی کا انکار کرتا ہے، وہ اپنی زبان سے کہے ہوئے قول "لاالہ الا اللہ" کی تردید کرتا ہے۔"[2]

ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"بعض مسلمان دین سے خارج ہونے کا قصد اور اسلام کے بجائے کسی اور دین کے اختیار کرنے کا ارادہ کئے بغیر بھی (محض اپنے کفریہ عقائد و اعمال کی بناء پر) دین سے خارج اور کافر ہو جاتے ہیں۔"[3]

شیخ عبد اللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس نے لوگوں پر کوئی ایسا قانون بنا کر نافذ کیا جو اللہ کے حکم سے متعارض ہو تو ایسا کرنے والا امت سے خارج ہے کافر ہے۔"[1]

---

[1] اکفار الملحدین، ص۷۵۔

[2] "سیر کبیر" بحوالہ "اکفار الملحدین"، ص۱۷۵۔

[3] اکفار الملحدین، ص۱۳۱۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جس نے کوئی عمل یا قول ایسا کیا جو کفر کے زمرے میں آتا ہے تو وہ شخص کافر ہو گیا اگرچہ اس نے کافر ہونے کا قصد نہیں کیا تھا اس لئے کہ کافر بننے کا ارادہ کوئی بھی نہیں کرتا۔“[2]

اسی حوالے سے مزید فرماتے ہیں:

” جب کوئی انسان ایسی چیز کو حلال قرار دیدے جو بالاجماع حرام ہے یا بالاجماع حرام کو حلال قرار دیدے یا متفقہ شریعت کو تبدیل کر دے تو وہ باتفاق فقہاء کافر و مرتد ہے۔“[3]

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اسی طرح اس شخص کو بھی قطعی طور پر ”کافر“ کہا جائے گا جو شریعت کے کسی بھی اصول کی اور ان عقائد و اعمال کی تکذیب یا انکار کرے جو نقل تواتر کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور ہر زمانے میں ان پر امت کا اجماع رہا ہے۔“ [4]

مشہور سعودی عالم دین شیخ محمد الصالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”جس نے اللہ کی شریعت کو حقیر و معمولی سمجھ کر اس کے مطابق حکومت نہیں چلائی یا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ دوسرے نظریات و قوانین اسلام کی بنسبت زیادہ مفید اور موجودہ دور کے موافق ہیں تو ایسا شخص کافر ہے دین اسلام سے خارج ہے ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو خلاف اسلام قوانین بناتے ہیں اور لوگوں کو ان پر عمل کی تاکید کرتے ہیں یہ لوگ شریعت

---

[1] نقل عن کتاب الایمان ومبطلاتہ فی العقیدہ الاسلامیۃ۔

[2] الصارم المسلول:۱۷۷۔

[3] مجموع الفتاوی/۲۶۸۳۔

[4] اکفار الملحدین، ص۱۸۹۔

کو چھوڑ کر خود اس لئے قوانین بناتے ہیں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ شریعت سے زیادہ مفید اور حالات کے لئے موزوں ہیں یہ ہم اس بنیاد پر کہہ رہے ہیں کہ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ تب اپناتا ہے جب وہ اسے پہلے والے سے بہتر نظر آتا ہو یا پہلے والے میں کو نقص یا سقم نظر آیا ہو۔"[1]

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ)"(اگر یہ اللہ کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر یہ جہالت کے حکم اور فیصلے کے خواہش مند ہیں؟" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جو اس کے ایسے احکام کو چھوڑ رہے ہیں جن میں ہر قسم کا خیر ہے، ہر قسم کے شر سے روکنے والے ہیں، ایسے احکام کو چھوڑ کر لوگوں کی خواہشات، ان کی آراء اور خود ساختہ اصطلاحات کی طرف جاتے ہیں، جس طرح دورِ جاہلیت کے لوگ اسی طرح کے جاہلانہ اور گمراہ کن احکامات کو نافذ کرتے تھے جو انہوں نے اپنی خواہشات اور آراء سے بنائے ہوئے ہوتے تھے اور جس طرح کے فیصلے اور احکامات تاتاری کرتے تھے جو انہوں نے اپنے بادشاہ چنگیز خان سے لئے تھے۔ چنگیز خان نے تاتاریوں کے لئے "یاسق" وضع کیا تھا۔ یاسق اس" مجموعہ قوانین" کا نام ہے جو چنگیز خان نے مختلف مذاہب، یہودیت، نصرانیت اور اسلام وغیرہ سے لے کر مرتب کیا تھا۔ اس میں بہت سے ایسے احکام بھی تھے جو کسی مذہب سے ماخوذ نہیں تھے وہ محض چنگیز خان کی خواہشات اور اس کی صوابدید پر مبنی تھے۔ یہ کتاب بعد میں قابل اتباع قرار پائی اور وہ اس کتاب کو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر بھی مقدم رکھتے تھے۔ ان میں سے جس جس نے بھی ایسا کیا ہے وہ کافر ہے، واجب القتل ہے جب تک کہ توبہ کر کے اللہ

[1] المجموع العیثمین ص ۶۱/۱۔

اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی طرف نہ آئے اور ہر قسم کا چھوٹا بڑا فیصلہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق نہ کرے۔"[1]

شیخ حامد الفقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان تاتاریوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں جو انگریزوں کے قوانین اپناتے ہیں اور اپنے مالی، فوجداری اور عائلی معاملات کے فیصلے ان کے مطابق کرتے ہیں اور ان انگریزی قوانین کو اللہ اور اس کے رسول اللہ اکے احکامات پر مقدم رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ بغیر کسی شک وشبہ کے مرتد اور کافر ہیں جب تک وہ اس روش پر برقرار ہیں اور اللہ کے حکم کی طرف رجوع نہیں کرتے وہ اپنا نام کچھ بھی کیوں نہ رکھ لیں، انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور وہ اسلام کے ظاہری اعمال میں سے جتنے چاہیں عمل کرلیں، وہ سب کے سب بیکار ہیں جیسے نماز، روزہ اور حج وعمرہ وغیرہ"[2]

نواقضِ اسلام.........؟؟

سلف وصالحین اور فقہاء کرام کے معروف دس (۱۰) "نواقضِ اسلام" یعنی وہ عقائد وافعال جن کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اس میں چوتھا یہ ہے کہ:

"جو شخص یہ سمجھے کہ کوئی ہدایت یا قانون نبی کریم ﷺ کی ہدایت اور شریعت و قانون سے جامع تر یا مکمل تر ہے یا یہ کہ کسی اور کا حکم و قانون آپ ﷺ کے حکم و قانون سے بہتر ہے مثلاً وہ شخص جو طاغوتوں کے حکم و قانون کو نبی کریم ﷺ کے فیصلے اور آپ ﷺ کے قانون پر ترجیح دے، تو ایسا شخص کافر ہے"۔

---

[1] تفسیر ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ: ۷۷۲۔

[2] فتح المجید: ۸۳۲۔

اور اس میں پانچواں "نواقضِ اسلام" یہ ہے کہ:

"وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کا لائے ہوئے دین اور شریعت کی کسی بھی بات سے نفرت اور بغض رکھتا ہو، ایسا شخص کافر ہے اگرچہ وہ اس پر عمل پیرا ہی کیوں نہ ہو"۔

اور اس میں چھٹا "نواقضِ اسلام" یہ ہے کہ:

"وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے دین کی کسی بات یا آپ ﷺ کے ذکر کردہ کسی ثواب یا عذاب کا مذاق اڑائے، کافر ہو جاتا ہے"۔

کیا آج بلادِ اسلامیہ پر حکومت کرنے والے حکمرانوں کی اکثریت کے اندر یہ تینوں صفات بدرجۂ اتم نہیں پائی جاتی، مگر کیا کہیے! اُن دانشوروں اور مفکرین و محققین کی عقل و فراست پر کہ جو ان کو اب بھی مسلمان ثابت کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں بلکہ اُن پر "خليفة المسلمين" کے احکامات لاگو کرنے پر بضد ہیں۔ حالانکہ یہ فعل اس لحاظ سے انتہائی خطرناک ہے کہ کوئی بھی شخص جس سے واضح طور پر اقوال و افعالِ کفر ظاہر ہوں، پھر بھی اس کے کفر میں شک کرنا اور اس کو مسلمان سمجھنا، انسان کو خود دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی تصریح بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں فرماتے ہیں:

"جو شخص کسی قطعی اور یقینی کافر کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے۔"[1]

امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں:

---

[1] اکفار الملحدین، ص ۲۸۳۔

وهل في ضروريات دينٍ تأوُّل

بتحريفها الا ككفر عيانِ

ترجمہ: اور کیا ضروریاتِ دین میں ایسی تاویل جو تحریف کے مترادف ہو، کھلے ہوئے کفر کی مانند نہیں؟"

ومن لم يكفر منكريها فانه

يجُرّ لها الانكار يستويانِ

ترجمہ: اور جو کوئی ضروریاتِ دین کے منکر کو کافر نہ کہے، وہ اس انکار کو خود اپنے سر لیتا ہے ، اور بغیر کسی فرق و امتیاز کے خود "کافر" ہو جاتا ہے۔[1]

طاغوت کے خلاف "قتال" کا فرضِ عین ہونا:

چنانچہ سلف و صالحین اس بات پر متفق ہیں کہ جو الحکم بغیر ما انزل اللہ کے ساتھ حکومت کرے اور اس کے مطابق فیصلے کرے اس کے خلاف "قتال" فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ صحیحین میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم سنیں گے اطاعت کریں گے چاہے سخت حالات ہوں یا سازگار، خوشی ہو یا غمی، ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے پھر بھی اور ہم

[1] اکفار الملحدین: ص۳۰۷۔

اہل حکومت سے اختیارات واپس نہ لیں سوائے اس صورت کے کہ ان سے ایسا "واضح کفر سرزد ہو جائے جس کے کفر ہونے پر اللہ کے دین میں صریح دلیل موجود ہو۔"[1]

مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ، سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ کی روشنی میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے قوانین کا انکار کرنے والوں کے خلاف قتال کے حوالے سے سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ کو نقل کرتے ہیں:

"جو لوگ مسلمان ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دئے ہوئے احکام و قوانین اور قانونِ اسلام کا انکار کریں، تو میرا فرض ہے کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں، اگر میرا مقابلہ پر تمام جن وانس اور دنیا کے شجر و حجر سب کو جمع کر لائیں، اور کوئی میرا ساتھی نہ ہو، تب بھی میں تنہا اپنی گردن سے اس جہاد کو انجام دوں گا۔"[2]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے حکمران جن سے کفریہ افعال کا ظہور ہو ہر مسلم پر فرض ہو جاتا ہے کہ اس بارے میں اپنی ذمہ داری نبھانے کیلئے اٹھ کھڑا ہو جس میں طاقت و قوت ہو گی اسے ثواب ملے گا جو طاقت کے باوجود سستی کریگا اسے گناہ ملے گا اور جس کی طاقت نہ ہو اسے چاہیے کہ ایسے ملک سے ہجرت کر جائے، اس پر اجماع ہے۔"[3]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] بخاری، مسلم، مسند احمد، بھیقی۔

[2] معارف القرآن، جلد سوم، ص۱۷۶۔

[3] فتح الباری، ۱۳/۱۲۳۔

"اگر کوئی ایسا شخص حکمران بن جائے جس میں تمام شروط مکمل طور پر نہیں پائی جاتیں تو اسکی مخالفت میں جلدی نہیں کرنی چاہیے اس لئے کہ اس مخالفت سے ملک میں لڑائی جھگڑے فسادات پیدا ہوں گے جو کہ ملک و قوم کے مصلحت کے خلاف ہے بلکہ بہت زیادہ بگاڑ کا سبب بنیں گے لیکن اگر حکمران نے کسی اہم "دینی امر" کی مخالفت کی تو اس کے خلاف قتال جائز ہو گا بلکہ واجب ہو گا۔ اس لئے کہ اب اس نے اپنی افادیت ختم کر دی ہے اور قوم کے لئے مزید" فساد و بگاڑ" کا سبب بن رہا لہٰذا اس کے خلاف قتال "جہاد فی سبیل اللہ" کہلائے گا۔" [1]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کے علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے جب کوئی گروہ (حکمرانوں کا) اسلام کے ظاہری اور متواتر چلے آنیوالی ذمہ داریوں اور واجبات کی ادائیگی سے دست کش ہو جائیں ان سے قتال کرنا "واجب" ہو جاتا ہے۔"[2]

مزید فرماتے ہیں:

"تو معلوم ہوا کہ جب تک اسلام کے احکامات کی عملاً پابندی نہ ہو جائے، اس وقت تک اسلام کو خالی اپنا لینے سے قتال ساقط نہیں ہو جاتا، اس لئے جب تک دین کل کا کل ایک اللہ وحدہ، لاشریک کے لئے نہ ہو جائے اور جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے قتال "واجب" ہے ۔ چنانچہ جب دین (اطاعت و پابندی حکم و قانون) غیر اللہ کے لیے ہو جائے تو قتال واجب ہو جاتا ہے. چنانچہ وہ لوگ جو اسلام کے ظاہر و متواتر احکامات و قوانین کی پابندی نہیں کرتے

[1] حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۳۹۹۔

[2] مجموع الفتاوی۔ ۲۸/۵۴۰۔

،ان سے قتال کے واجب ہونے پر میں علماء اسلام میں کوئی بھی اختلاف نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ[1]

اس لئے اگر دین کچھ تو اللہ کے لئے اور کچھ غیر اللہ کے لئے ہو تو قتال واجب ہو گا جب تک دین سارے کا سارا اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔''[2]

اہل بصیرت کہاں سو رہے ہیں........؟؟

فَاعْتَبِرُوا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ[3]

''عبرت حاصل کرو، اے آنکھوں والو!''

❸ عقیدہ الولاء والبراء:

عقیدہ الولاء والبراء ''یعنی اللہ ہی کے لئے دوستی اور اور اللہ ہی کے لئے دشمنی'' شریعت اسلامی کے اُن بنیادی اور حساس عقائد میں سے ہے کہ جس کے بر خلاف چلنے والا باوجود اس کے کہ وہ عبادات و شعائر اسلام کی پابندی کرتا ہو، دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

اس حوالے سے مسلمانوں کا پہلے طبقے کو اللہ اپنی حفظ و امان میں رکھے کہ وہ تو ہر دم کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے دوستی کے لئے دوڑتا پھرتا ہے اور ''آئمۃ المضلّین'' ان کے اس فعل کو ''عین اسلام'' قرار دینے کے لئے مختلف حیلے بہانے تراش کر دیتے رہتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کا دوسرا

---

[1] سورۃالانفال:۳۹۔

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ :۲۸/۵۰۲۵۱۱۔

[3] الحشر:۲۔

سادہ لوح طبقہ تو یہ جانتا ہی نہیں کہ عقیدہ الولاء والبراء کس شے کا نام ہے ؟ اور نہ ہی اس طبقے کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ اُس کو چھپایا جاتا ہے، کہیں بڑے بڑوں کی اسلام سے ہمدردی اور غمخواری کا پول نہ کھل جائے!

مگر حیران و پریشان کرنے والی ہے یہ بات کہ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو اسلام کی کچھ شد بد رکھتا ہے اور اسلام کے مکمل نظام حیات سے اور آفاقی تعلیمات سے آگاہ ہے اور ان کے علاوہ بھی بہت سے مخلص اہل علم بھی عقیدہ الولاء والبراء سے قطعاً نا آشنا ہیں حالانکہ یہ بات عرض کی گئی ہے کہ یہ اسلام کے بنیادی اور حساس عقائد میں سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ''آئمة المضلّین'' کا گروہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے یہ تینوں طبقے اس عقیدے سے ناواقف اور لاعلم رہیں کیونکہ اسی میں اُن کی بھی اور اُن حکمرانوں کے لئے بھی عافیت ہے جو کہ واضح طور پر یہود و نصاریٰ سے دوستی اور وفاداری نبھاتے ہیں اور اہل ایمان کے خلاف یہود و نصاریٰ کو ہر طرح کی مدد و نصرت کرتے ہیں، اُن کے لئے جاسوسی کرتے ہیں، ان کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کرتے ہیں، مسلمان مرد و عورتوں کو پکڑ پکڑ اُن کے حوالے کرتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((یَکُوْنُ عَلَیْکُمْ اُمَرَاءُ هُمْ شَرٌّ مِّنَ الْمَجُوْسِ))[1]

''تم پر ایسے لوگ حاکم بنیں گے جو مجوسیوں (آتش پرستوں) سے بھی بدتر ہوں گے''۔

چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ نہ صرف عقیدہ الولاء والبراء کو خود سمجھا جائے بلکہ اس کو امت مسلمہ میں بڑے پیمانے پر عام کیا جائے۔ یہاں پر ہم اس حوالے سے کچھ اہم فتاویٰ و اقوال آیاتِ قرآنی

[1] عن ابن عباس رضی اللہ عنہ رواه الطبرانی واسناده صحیح، مجمع الزوائد: الجزء الخامس، رقم الحدیث ۱۸۹۳۔

اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں نقل کرتے ہیں تاکہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہو جائے۔ "نواقضِ اسلام" میں آٹھواں یہ ہے کہ:

"آٹھویں بات جس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے وہ ہے مشرکوں کی نصرت اور پشت پناہی یا مسلمانوں کے خلاف اُن کا معاون یا حلیف بننا"۔

عقیدہ الولاء والبراء قرآن کریم کی روشنی میں:

- يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

"اے اہل ایمان !یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے گا وہ بے شک انہی میں سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہر گز ہدایت عطا نہیں فرماتا"۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک یوں کہنا زیادہ مناسب اور درست ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام مسلمانوں کو منع کیا ہے۔ اس بات سے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنے حمایتی، مددگار اور حلیف بنائیں، ان مومنوں کے خلاف جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے آخری رسول جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی خبردار کیا ہے کہ جو مسلمان اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مومنوں کو چھوڑ کر ان کافروں کو اپنا حمایتی، مددگار اور دوست بنائے گا تو اس کے نتیجے میں وہ ان یہودیوں اور عیسائی کافروں کی جماعت کا ہی فرد گردانا جائے گا۔ گویا یہ شخص اللہ رب العالمین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے مدمقابل

کافروں کی جماعت کا ایک کارکن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس سے کلیتاً بیزار اور لاتعلق ہوں گے۔''[1]

مشہور مفسر قرآن امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ المائدۃ کی آیت: ۵۱ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ) کا مطلب ہے کہ ''یُعَضِّدُهُمۡ عَلَى الۡمُسۡلِمِیۡنَ'' یعنی جو شخص بھی مسلمانوں کے خلاف کافروں کو قوت، طاقت اور ہر طرح کی (لاجسٹک) مدد فراہم کرتا ہے تو (فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ) وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا۔ گویا اللہ رب العزت نے بڑی وضاحت سے فرمادیا ہے کہ اس کے ساتھ وہی رویہ برتا جائے گا جو ان یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ برتا جائے گا۔ وہ شخص کسی مسلمان کے مال میں وراثت کا حقدار بھی نہیں ٹھہرے گا نہ اس کے مرنے کے بعد اس کا مال مسلمان وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ اس لیے کہ وہ مرتد ہو چکا ہے یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ حکم تا قیامِ قیامت جاری وساری ہے۔''[2]

- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَ اِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِیَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِیۡمَانِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ [3]

''اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔ تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا گنہگار (ظالم) ہوگا''۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر الطبری: ۶/۲۷۶،۲۷۷۔

[2] تفسیر القرطبی: ۶/۲۱۷۔

[3] التوبۃ: ۲۳۔

"قرآن مجید کی مذکورہ آیت کے آخری حصہ(وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ)کے بارے میں مفسر قرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے:

((هُوَ مُشۡرِكٌ مِثۡلُهُمۡ ، لِأَنَّ مَنۡ رَضِيَ بِالشِّرۡكِ فَهُوَ مُشۡرِكٌ))[1]

"جو کسی کافر و مشرک سے دوستی کرے گا وہ ان کی طرح کا ہی مشرک ہو گا، اس لیے کہ جو شرک کو پسند کرتا ہے وہ بھی مشرک ہوتا ہے۔"

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اسلام کا اصول ہے کہ((الرِّضَاءُ بِالۡکُفۡرِ کُفۡرٌ))یعنی"کفر کو پسند کرنا بھی کفر ہے"۔[2]

فضیلۃ الشیخ سلیمان بن عبداللہ (آل شیخ) رحمۃ اللہ علیہ سورۃ محمد کی آیت ۲۶ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

"مقام غور و فکر ہے کہ جب اللہ کی شریعت کو ناپسند کرنے والے کافروں سے بعض باتوں میں اطاعت گزاری کا یقین دلانے والوں کو اللہ رب العزت نے کافر کہا ہے، حالانکہ وہ ابھی صرف زبانی یقین دلا رہے ہیں عملاً کچھ نہیں کر رہے۔ تو جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کو ناپسند کرنے والے مشرکوں سے مکمل طور پر موافقت کرتے ہیں، اطاعت گزاری کا یقین

[1] تفسیر القربی: ۸/۹۳۹۴، تفسیر فتح القدیر للشوکانی: ۱/۵۲۹، تفسیر أبي سعود: ۲/۲۴۶۔

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر القرطبی: ۵/۴۱۷،۴۱۸۔

دلاتے ہیں اور عملاً کافروں کے حق میں کاروائیاں بھی کرتے ہیں تو کیا ان کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی رہ جاتا ہے؟"[1]

- لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ[2]

"مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ کی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خود تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

مذکورۃ الصدر آیت کی تفسیر میں شَيْخُ التَّفْسِيْرِ وَالْمُفَسِّرِيْنَ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"اس آیت کریمہ کا معنی ومفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کافروں کو اپنا حمایتی اور مددگار نہ بناؤ۔ وہ اس طرح کہ ان کے دین ومذہب کی بنیاد پر ان سے دوستیاں رچانے لگ جاؤ، مسلمانوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد کرنے کے درپے ہو جاؤ اور کافروں کو مسلمانوں کے خفیہ راز اور معلومات فراہم کرنے لگ جاؤ۔ جو شخص ایسا رویہ اختیار کرے گا (فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ) یعنی اس

[1] الرسالۃ الحادیۃ عشرۃ من مجموعۃ التوحید: ۳۴۷،۳۴۶۔

[2] آل عمران: ۲۸۔

طرح کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ اس سے لاتعلق ہو جائے گا۔اس وجہ سے کہ وہ اسلام سے مرتد ہو چکا ہے اور کفر میں داخل ہو چکا ہے۔"[1]

تقیہ سے مراد:

بعض نام نہاد دانشور مذکورہ بالا آیت میں مذکور الفاظ "الاان تتقوا" کی آڑ لیتے ہوئے حکمرانوں کے کے لئے یہ دلیلیں گھڑ کر دیتے ہیں کہ ہم تو مجبور ہیں اور یہ کہ ہم تو کافروں کے شر سے بچنے کے لئے اُن کا ساتھ دے رہے ہیں، اور پھر وہ کافروں کے ہم رکاب ہو کر اہل ایمان سے جنگ کرتے ہیں، اُن کا قتلِ عام کرتے ہیں اور اُن کافروں کے ساتھ ہر طرح کی مدد اور تعاون کرتے ہیں۔"تقیہ" یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اس کی آڑ میں کافروں سے محبت اور دوستی شروع کر دی جائے، یا تقیہ کی آڑ میں کافروں کے کفریہ اور باطل عقائد و نظریات کو اختیار کرنا شروع کر دیا جائے، یا تقیہ کی آڑ لیتے ہوئے کافروں کے پروگراموں، ایجنڈوں، اقدامات (Missions) کو ہی درست قرار دے دیا جائے اور نہ ہی تقیہ کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے اتحادی بن کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شمولیت اختیار کرلی جائے۔جس شخص نے تقیہ کا یہ مطلب سمجھا ہے۔اس نے دین اسلام میں ایسی بات سمجھی اور کہی ہے جس کا فتنہ وفساد کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔جان لیجئے کہ یہ نظریہ رکھنا بالکل قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے چنانچہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((لَيْسَ التَّقِيَّةُ بِالْعَمَلِ اِنَّمَا التَّقِيَّة بِاللِّسَانِ))[2]

[1] تفسیر الطبری: ۶/۳۱۳، نیز دیکھیے تفسیر القرطبی: ۴/۵۷۔

[2] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۵۷۔

"(اگر کافروں کی شرارت کے خوف سے)بظاہر دوستی کا اظہار کرنا پڑ ہی جائے تو وہ صرف قول و گفتار کی حد تک ہو، کسی عمل و کردار سے نہ ہو۔"

اسی طرح عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس حوالے سے مزید قول ملتے ہیں:

((اِنَّمَا التَّقِيَّةُ بِاللِّسَانِ))[1]

"تقیہ (کافروں کے کے ساتھ بظاہر دوستی کا اظہار) صرف زبان کی حد تک جائز ہے۔(نہ کہ عملی کاروائیوں سے)"

((هُوَ أَنْ يَّتَكَلَّمَ بِلِسَانِهِ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَ لَا يَقْتُلُ وَ لَا مَأْثَمًا))[2]

"تقیہ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان شخص کفار کے شر سے بچنے کے لیے اپنی زبان سے کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے بچاؤ ممکن ہو۔ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ تقیہ کرتے وقت نہ تو کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز ہے نہ ہی کسی گناہ کا ارتکاب کرنا جائز ہے۔"

عوف اعرابی رحمۃ اللہ علیہ جناب حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے تقیہ کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

''اَلتَّقِيَّةُ جَائِزٌ لِلْمُؤْمِنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ لَا يُجْعَلُ فِي الْقَتْلِ تَقِيَّةً''[3]

"تقیہ کرنے کی سہولت اور اجازت مومن کے لیے قیامت تک باقی ہے۔ مگر کسی خونِ ناحق میں تقیہ کرنا جائز نہیں ہے۔"

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۵۷۔

[2] تفسیر القرطبی: ۴/۵۷۔

[3] فتح الباری: ۱۲/۳۱۴، کتاب الاکراہ، الحدیث: ۶۹۴۰۔

لہٰذا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص کسی مسلمان کو ''دین اسلام'' پر چلنے کی بنیاد پر قتل کر دیتا ہے جیسا کہ عیسائی مسلمانوں سے ان کے دین اور تہذیب کی بنیاد پر ہی جنگ کرتے ہیں تو ایسا شخص کہ جو محض دین اسلام کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل کرے وہ ''کافر'' ہے۔ دین اور تہذیب کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل کرنے والا کافر، اس کافر سے زیادہ خطرناک ہے جس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا باہمی عہد وپیمان طے کیا ہوا ہو۔ اس قسم کا کافر بالکل ان کافروں کی طرح ہی سمجھا جائے گا جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ وقتال کیا کرتے تھے۔ اس قسم کے کفار ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے جس طرح دیگر کافروں کا یہی حکم ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''۔[1]

تحقیق وتصنیف پر گھمنڈ کرنے والے ''آئمۃ المضلّین'':

موجودہ دور کے ''آئمۃ المضلّین''، جن کو اپنی تحقیق وتصنیف پر گھمنڈ ہے اور شیطان اُن کو دور کی گمراہیوں میں لے گیا ہے، آج کل بعض نام نہاد دینی ''رسائل وجرائد' '، جن کا اب مقصد عوام الناس کو تو افعالِ معصیت پر دنیاوی واخروی عذاب کی وعیدیں سنانا ہے لیکن ''طاغوتِ وقت'' کے حوالے سے یا تو خاموشی اختیار کئے بیٹھے رہنا یا ان کی حکمرانی کے جواز کی ایسی بھونڈی دلیلیں تلاش کرنا رہ گیا ہے جو ان حکمرانوں کے خیال وگمان میں کیا، خواب میں بھی نہ آئی ہوں۔ چنانچہ وہ ان رسائل وجرائد میں سلف وصالحین کے ان فتاویٰ کو جو کہ انہوں نے حاکم وقت کے کفر وارتداد کی وجہ سے اس کے خلاف ''قتال'' کے لئے دیئے تھے، ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ آج قابلِ عمل (Applicable) نہیں۔

[1] مجموع الفتاوی: ۱۳۷، ۱۳۶/۳۴۔

فیاللعجب! بڑا ہی عجیب وغریب معاملہ ہے کہ پہلے تو یہ "طاغوتِ وقت" کے لئے اُن فتاویٰ واقوال کو حجت تسلیم کرتے ہیں جو کہ "ظالم مسلمان حکمران" کے خلاف کے "خروج" کے لئے دیئے گئے۔ مگر جب ان پر واضح کیا جاتا ہے کہ موجودہ حکمران اپنے قول وافعالِ کفر وارتداد کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے ہیں اور ان کے خلاف قتال "فرضِ عین" ہوگیا ہے تو فوراً یہ عذرِ لنگ تراشتے ہیں کہ سلف وصالحین کے فتاویٰ ان کے زمانے تک کے لئے خاص تھے، آج ہمارے لئے دلیل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سلف وصالحین نے جو فتاویٰ اپنے زمانے میں دیئے وہ دراصل قرآن وسنت کے اُن اصول ومبادی کے مطابق دیئے جو کہ مختلف حالات واحوال سے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ لہٰذا آج اُن فتاویٰ واقوال سے رہنمائی لی جائے گی جو کہ موجودہ حالات واحوال سے متعلق ہوں گے۔

موجودہ دور کے "راسخون فی العلم" علماء کا فتویٰ:

بالفرض اگر اُن فتاویٰ کو کوئی شخص تسلیم نہیں کرتا، تو کیا آج عالمِ عرب وعجم کے وہ علماء جن کے "راسخون فی العلم" ہونے میں کوئی شک نہیں کرسکتا، موجودہ حکمرانوں کے کفر وارتداد کے ظاہر ہونے پر اُن کے خلاف قتال فرضِ عین ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔ جس کی وجہ سے ان پر تکالیف ومصائب کے پہاڑ ٹوٹے، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں اور ان میں سے بعض شہید بھی کردیئے گئے۔ ان میں قابل ذکر مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ (پاکستان) شیخ عمر عبدالرحمن فک اللہ اسرہ، (مصر) شیخ ابو محمد عاصم المقدسی فک اللہ اسرہ (اردن) شیخ سلمان العودۃ فک اللہ اسرہ، اور شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ، (سعودی عرب) قابلِ ذکر ہیں، تو یہ مفکرین ان کے فتاویٰ کے بارے میں کیا موٴقف اختیار کریں گے۔ اس سلسلے میں صرف چند فتاویٰ بطور مثال پیش خدمت ہیں۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) نے گیارہ ستمبر کو نیویارک پر ہونے والے حملوں کے بعد افغانستان پر حملہ کے پیش نظر جاری کردہ اپنے مشہور فتوے لکھتے ہیں کہ:

”جو مسلمان، چاہے اس کا تعلق کسی بھی ملک سے ہو اور وہ کسی بھی سرکاری ادارے سے وابستہ ہو، وہ اگر صلیبی جنگ میں افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف استعمال ہو گا وہ ”مسلمان نہیں رہے گا۔“ اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات اُن کو فراہم کر رہے ہیں، وہ مسلمانوں پر حکمرانی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں۔ تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں چاہے اس کے لئے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔“[1]

اپنے فتوے میں مزید لکھتے ہیں:

”کسی مسلمان کے لیے خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو سرکاری ملازم ہو یا غیر سرکاری اگر اس نے افغانستان پر امریکہ کے حملے میں کسی قسم کا تعاون کیا جو ایک صلیبی حملہ ہے تو وہ مرتد ہو گا۔“[2]

افغانستان میں طالبان کے خلاف امریکہ کے لئے کسی بھی قسم کا تعاون کرنے کے حوالے سے ” حجازِ مقدس“ کے مشہور علماء حق نے بھی اس حوالے سے واضح طور پر ”کفر“ اور ”ارتداد“ کا فتویٰ جاری کیا۔ جس پر ان علماء کو کی اکثریت کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ مشہور سعودی سلفی عالم دین شیخ حمود عقلاء الشعیبی رحمۃ اللہ علیہ نے، ۲۱ رجب ۱۴۲۲ ہجری(اکتوبر، 2001ء) کو امریکی طرفداری کرنے پر سعودی حکومت کو انتہائی سختی سے متنبہ کرتے ہوئے فتویٰ دیا کہ:

((من اعان دول الکفر کامریکا وزمیلاتھا علی المسلمین یکون کافراً مرتداً عن الاسلام))

---

[1] فتویٰ از مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ شہید، ۲۰ رجب، ۱۴۲۲ھ۔

[2] بحوالہ ”امریکیوں کی مدد کرنے والے کے کفر میں واضح بیان“ از شیخ ناصر بن فہد۔

”جس نے کفری طاقتوں جیسے امریکا اور اس کے اتحادیوں سے مسلمانوں کے خلاف تعاون کیا وہ کافر اور مرتد ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔“

”شیخ عبد الرحمن بن ناصر براک“ نے ۲۰ رجب، ۱۴۲۲ ہجری کو فتویٰ صادر کیا کہ:

”امریکہ اور برطانیہ کا افغانستان پر حملہ بغیر کسی شک وشبہ کے ظلم اور عدوان ہے اور ”یہ صلیبی حملہ“ ہے جو اسلام پر کیا گیا ہے۔ اسلامی ممالک کا افغانستان کی نصرت اور حمایت نہ کرنا ایک عظیم مصیبت ہو گی اگر الٹا یہ ممالک ان کی حمایت اور تعاون کرتے ہیں تو یہ کفار سے دوستی ہے جس کا ذکر سورہ المائدہ کی آیت ۵۱ میں مذکور ہے، اسی آیت کو دلیل بنا کر ائمہ اسلام نے کفار سے دوستی کو نواقضِ اسلام (جن سے ایک مسلمان کافر ہو کر ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے) میں شمار کیا ہے۔“

لہٰذا آج بھی جو شخص بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے تو مسلمانوں پر اس کی حکمرانی جائز نہیں اور اس کے خلاف ”قتال“ فرضِ عین ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس کو ”خلیفۃ المسلمین“ ثابت کر کے اس کی حکمرانی کے جواز کے لئے بھونڈی دلیلیں تلاش کی جائیں۔ چنانچہ موجودہ دور وہ مبلغین جو طاغوتی حکمرانوں کو مسلمانوں پر ”ولایت“ (یعنی حکمرانی) کو ”سندِ جواز“ عطا کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت کے اندر ایک عجیب دورُخہ پن جس پر احادیث مبارکہ میں سخت وعیدیں آئیں ہیں، کا ظہور ہو جاتا ہے۔ ایک طرف وہ عامۃ المسلمین کے لئے ”خارجی“ مزاج کی حامل شخصیت بن جاتے ہیں اور دوسری طرف وہ طاغوتی اور اللہ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف حکومت کرنے والے حکمرانوں کے لئے ”مرجئہ“ مزاج کے شخصیت کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اب یہ سوال خود بخود بعض لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوا ہو گا کہ یہ ”مرجئہ“ کون ہیں اور ان کا عقیدہ کیا ہے؟ جان لیجئے کہ جس طرح خوارج نے افعالِ معصیت پر جن سے بحر حال گناہ اور فسق ہی لازم آتا ہے، لوگوں کو کافر قرار دینا شروع کر دیا تھا۔ جبکہ ”مرجئہ“ دوسری انتہا کو گئے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ایک شخص نے اگر کلمہ کا اقرار کر لیا تو اس کے بعد چاہے وہ کتنا ہی افعالِ کفر و شرک کا ارتکاب کرتا رہے۔ بس دل میں اس کو صحیح نہ سمجھے اور زبان سے اس کو حلال کہنے کی بھی

حماقت نہ کرے تو وہ مسلمان اور موحد ہی گنا جائے گا، یعنی کفر اور شرک کے افعال بھی عام گناہوں کی طرح ایک گناہ ہیں اور محض ان کے عملی ارتکاب سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔

اصولی طور پر یہ دونوں گمراہیاں اس ایک مسئلہ پر آن کر ایک ہو جاتی ہیں کہ ''کفریہ اعمال'' اور ''عام گناہوں'' میں کوئی فرق نہیں! جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان میں واضح فرق ہے، جن افعال کو شریعت نے صرف ''گناہ'' اور ''فسق'' کہا ہے ان پر اصرار سے آدمی ''فاسق'' ہی ہو گا اور جن افعال کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کفر یا شرک کہیں، ان پر اصرار کرنے سے وہ ''کافر'' اور ''مشرک'' ٹھہرتا ہے اور یہ بات تو واضح ہے ہی کہ اللہ کے قانون کی بجائے کوئی دوسرا قانون چلانے کو اللہ اور رسول ﷺ نے ''کفر'' کہا ہے۔ چناچہ اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ وہ ''عقیدہ ارجاء'' کو پہچانیں تاکہ اس کی گمراہی سے بچ سکیں۔ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

((ما ابتدعت فی الاسلام بدعة هی اضر علی اهله من هذه يعنی الارجاء))[1]

''اسلام کیلئے ارجاء سے بڑھ کر نقصان دہ کوئی اور بدعت نہیں ہے''

اور ایسے لوگوں سے ہی اللہ کے رسول ﷺ روزِ قیامت بیزاری کا اظہار کریں گے:

((عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ ''صنفان من أمتی لا يردان عليّ الحوض القدرية، والمرجئة))[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے دو گروہ میرے پاس حوض کوثر پر نہ آسکیں گے: قدریہ اور مرجئہ''

---

[1] رواه ابن بطة فی الانابة۔

[2] رواه الطبرانی فی الاوسط، وأورده الالبانی فی سلسلة الصحيحة ج٦ وقال (اسناده قوي)۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''یحیٰ بن ابی کثیر اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہما دونوں کہا کرتے تھے کہ ارجائیت کی بنسبت خواہشات میں سے کوئی شئے اس امت کے لئے خوفناک نہیں۔

قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ مرجئہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وہ (مرجئہ) خبیث ترین لوگ ہیں حالانکہ خباثت میں رافضہ کافی ہیں لیکن مرجئہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں''[1]

امام سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مرجئہ نے اسلام کو باریک کپڑے سے بھی زیادہ رکیک بنادیا''۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ مرجئہ کے عقائد کے نتائج سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''انہوں نے ہر فاسق اور ڈاکو کو تباہ کن گناہوں پر جری کر دیا ہم اس خذلان سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔''[2]

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''خوارج مرجئہ سے زیادہ میرے نزدیک معذور ہیں''۔[3]

---

[1] کتاب السنة: ۱/۳۱۸۔

[2] سیر اعلام النبلاء: ۹/۴۳۶۔

[3] کتاب السنة عبداللہ بن احمد ۱/۳۳۷۔

تو یہ "مرجئہ خوارج" مزاج کے حامل دانشور عوام الناس کو تو مختلف گناہوں اور افعالِ معصیت پر جن سے بحر حال "کفر وارتداد" لازم نہیں آتا اوراس کے ساتھ وہ احکامات و معاملات جو بہر حال عوام الناس کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتے ہیں، اُس پر یہ بربادئ ایمان کی وعیدیں اور کفر وشرک کے فتوے لگادیتے ہیں، مگر اس کے برعکس جن حکمرانوں کی سرپرستی اور احکامات کے نتیجے میں عوام الناس میں کھلی معصیت پھیل رہی ہے اور اس کے ساتھ وہ حکمران جو "کفر بواح" کے بھی مرتکب ہورہے ہوں، تو ان کے مسلمان ہونے بلکہ "اولی الامر" ہونے کا ڈھنڈورا پوری دنیا میں پیٹتے رہتے ہیں اور جو کوئی ان حکمرانوں کے سامنے "کلمۂ حق" کہے اور اُن کے خلاف "علم بغاوت" بلند کرے تو ان کو خارجی ،بدعتی، گمراہ اور قابل قید و گردن زنی کے فتوے جاری کرتے ہیں۔

سرکاری و درباری علماء کے لئے وعید:

عالم عرب کے درباری و سرکاری علماء اُن توحید کے علمبردار حکمرانوں کو جن کا "کفر وارتداد" اور یہود نصاریٰ سے دوستی اور وفاداری کسی سے پوشیدہ نہیں ،اُن کے لئے "شاہ" اور "رئیس الدولہ" جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور اُن کے لئے "یرفعه الله" اور "حفظه الله" جیسے دعائیہ کلمات کا اظہار کرتے ہیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

((اذا قال الرجل للمنافق سید، فقد اغضب ربه عز وجل))[1]

"جب کسی شخص نے منافق کو سید (سردار) کہا تو اس نے اپنے ربّ کو ناراض کیا"

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

[1] مستدرك حاكم۔

”منافق کو ”صاحب“ تک بھی نہ کہو کیونکہ اگر وہ تمہارا صاحب ہے تو تم نے اپنے ربّ کو ناراض کر لیا۔“[1]

بلکہ رسول ﷺ نے فرمایا:

((من مشیٰ مع فاسقٍ لقوہ، فقد اعان علیٰ ھدم الاسلام))

” جو شخص کسی فاسق کے ساتھ اسے تقویت پہنچانے کے لئے چلا، اس نے اسلام کی جڑیں کھودنے میں مدد کی۔“

ڈرنا چاہیے ان لوگوں کو کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی وہ وعید بھی اُن پر صادق نہ آجائے جو آپ نے ”خوارج“ کے گروہ کے بارے میں ارشاد فرمائی تھی، کہ جن کی عبادات و تلاوتِ قرآنی ایسی ہو گی کہ بڑے بڑے نیک لوگ اس پر رشک کریں گے۔

((یحقر احدکم صلاتہ مع صلاتھم وصیامہ مع صیامھم)) [2]

”تم اپنی نماز کو ان کی نمازوں اور اپنے روزے کو اُن کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانو گے“۔

مگر اہل ایمان سے دشمنی اور اُن کو قابل گردن زنی قرار دینے اور اس کے مقابلے میں کفار و مشرکین سے محبت اور وفاداری کی وجہ سے دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے ”تیر“ کمان سے۔

---

[1] بحوالہ مجموعۃ التوحید: ۱۱۸/۱۱۹۔

[2] صحیح البخاری۔

((یقرءون القران ،لایجاوزحناجرھم ،یمرقون من الاسلام مروق السھم من الرمیۃ ،یقتلون اھل الاسلام ،ویدعون اھل الاوثان،لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل عاد،(وفی روایۃ)لئن ادرکتھم لاقتلنھم قتل ثمود)) [1]

”وہ قرآن بڑی خوش الحانی سے پڑھنے والے ہوں گے، مگر وہ ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا،اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے ،(بسبب اس بات کہ)اہل اسلام کو بے دریغ قتل کریں گے اور بت پرستوں کو دعوت دیں گے (یعنی ان سے دوستیاں کریں گے)،اگر میں نے اُن کو پالیا تواُن کو ایسے قتل کروں گا جیسے قوم عاد کو قتل کیا گیا ،(ایک اور روایت میں ہے)اگر میں نے اُن کو پالیا تو ایسے قتل کروں گا جیسے قومِ ثمود کو قتل کیا گیا“۔

اور صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی قبیح صفات کے لوگ اس امت میں بعد میں بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔اللہ ہمیں اس قسم کے لوگوں سے محفوظ رکھے۔آمین!

❹ سنت رسول ﷺ:

سنت رسول ﷺ جو کہ مغربی تہذیب واقدار کی ضد ہے، مسلمانوں کا پہلا طبقہ جس کی اکثریت ویسے ہی مغربی تہذیب وتمدن کی دلدادہ ہے، سنت رسول ﷺ کو دقیانوسیت سے تعبیر کرتی ہے اور پھر غضب پر غضب یہ کہ ان میں شامل شامل ”آئمۃ المضلّین“ اس قابل رحم طبقے کو انکارِ حدیث کے فتنے کی طرف دھکیل دیتے ہیں جس سے نہ صرف وہ گمراہی کے گہرے کھڈ میں جاگرتے ہیں بلکہ وہ عقائدو احکامات شریعت مثلاً نزول عیسیٰ ابن مریم، ظہور مہدی، خروجِ دجال اور رجم کی سزا وغیرہ کا مسئلہ، جن کا تعین ”سنت رسول ﷺ“ کے نصوص سے ہوتا ہے، منکر ہو جاتے ہیں۔

[1] صحیح البخاری۔

مسلمانوں کا دوسرا طبقہ چاہے وہ سنت رسول ﷺ پر پوری طرح کاربند نہ بھی ہو لیکن وہ اس کی عزت و تکریم کرنے والا ہوتا ہے مگر جن مروّجہ علماء اور اہل علم پر وہ اعتماد کرنے والا اور اُن کی پیروی کرنے والا ہوتا ہے، افسوس! وہ ان کے سامنے صرف سنت رسول ﷺ کا وہ پہلو ہی سامنے رکھتے ہیں جو کہ زندگی کے جزوی معاملات مثلاً سونے جاگنے کے آداب، کھانے پینے کا آداب، غسل قضائے حاجت کے آداب وغیرہ اور صبح و شام کے معمولات کے حوالے سے ہیں یا پھر زیادہ سے زیادہ سنت رسول ﷺ کا وہ پہلو جو کہ لوگوں سے معاملات میں آپ ﷺ کی ذات کے اخلاقِ حمیدہ سے متعلق ہوں مثلاً کسی نے آپ ﷺ کو گالی دی آپ ﷺ نے معاف کر دیا، کسی نے آپ ﷺ کو جسمانی اذیت پہنچائی آپ نے معاف کر دیا اور ظاہر سی بات ہے آپ ﷺ کے اس اخلاقِ حمیدہ کے حوالے سے سیرت رسول ﷺ کا پورا باب بھرا پڑا ہے مگر سنت رسول ﷺ کا وہ باب جس میں ظالم وجابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کی سنت، اللہ کے علاوہ معاشرے میں جو اور "الٰہ" بنے ہوئے ہیں ان سے دشمنی اور برأت کی سنت، حدود اللہ کے ٹوٹنے پر غضب ناک ہونے کی سنت، اعلاء کلمۃ اللہ اور خلافت کے قیام کے لئے "جہاد فی سبیل اللہ" کی سنت ہے، اس کو یکسر نظر انداز اور فراموش کر دیا۔

پھر اہل علم کی اس غفلت سے فائدہ اٹھاکر "آئمۃ المضلّین" کا گروہ اس طبقے میں سنت رسول ﷺ کے حوالے سے سے نقب زنی کرتا ہے چنانچہ یہ گروہ مسلمانوں کے اس سادہ لوح طبقے کو سنت رسول ﷺ کے ذریعے دلوں کو جوڑنے کے بجائے "تفریق بین المومنین" کی بنیاد ڈال دیتا ہے۔ عبادات میں مثلاً نماز، روزہ، حج اور دیگر فروعی معاملات کی وہ سنتیں جن میں افضل یا غیر افضل، اولیٰ یا غیر اولیٰ اور جن کی فروع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف رہا، ان کو یہ گروہ مسلمانوں میں حق وباطل اور کفر و اسلام کی جنگ بنا دیتا ہے۔ جس سے ایک طرف ان "آئمۃ المضلّین" کی سیادت وقیادت کی دکان چمکتی رہتی ہے اور دوسری طرف طاغوت کی حکمرانی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ نتیجتاً پھر یہ مسلمان شریعتِ اسلامی کی حدود پامال ہونے، احکاماتِ الٰہیہ کے استہزاو تمسخر، کفار ومشرکین کی طرف سے قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے شان میں گستاخیوں، بلادِ اسلامیہ میں مسلمانوں کے قتل عام اور ان کی عزتوں کو یہود ونصاریٰ کی طرف سے مباح جاننے اور حاکمِ وقت کی

طرف سے "کفر بواح" کے اظہار پر وہ غصہ اور غیض وغضب ظاہر نہیں ہو تا جو کہ رفع یدین کرنے یا نہ کرنے، آمین بالجہر یا بالسر، نمازِ تراویح اور نمازِ وتر کی رکعتوں، حج کے موقع پر نماز کو قصر کرنے یا نہ کرنے پر ظاہر ہو تا ہے۔ آج مسلمانوں کی عظیم اکثریت اسی جنگ وجدال کا شکار ہے۔ جس کے سنگین نتائج مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہونے کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں کا تیسرا طبقہ، زندگی کے جزوی معاملات میں سنت رسول ﷺ سے بھی شغف اور اُن کا اہتمام کرنے والا ہو تا ہے اور ساتھ ہی اعلاء کلمۃ اللہ اور خلافت کے قیام کے لئے بھی نبی کریم ﷺ کا منہج اور طریقہ کو یا بالفاظِ دیگر سنت رسول ﷺ کو سورۃ الاحزاب کی آیت (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ)[1] "تحقیق تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین اسوہ موجود ہے"۔ کی روشنی میں، تاقیامِ قیامت واحد راستہ سمجھتا ہے۔

یہی وہ جذبہ اور نظریہ ہے کہ جس کی بنیاد پر تاریخ اسلامی کے ہر دور میں مختلف جماعتیں یا گروہ وجود میں آتے رہے خصوصاً خلافت کے سقوط سے قبل اس کے غیر موثر ہونے کی وجہ سے وجود میں آئے، جن میں تحریک شہیدین، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی اور تحریک ریشمی رومال قابلِ ذکر ہیں۔ پھر خلافت کے سقوط کے بعد یہ جذبہ اور نظریہ مسلمانوں کے اندر اور تیزی سے سرائیت کر گیا اور بلادِ اسلامیہ کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ اور خلافت کے قیام کے لئے تحریکیں اور جماعتیں وجود میں آئیں جنہوں نے مسلمانوں کے اندر اس نظریہ کے عام کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

چونکہ ہم اس موضوع کے شروع میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور وقت کے طاغوتی حکمرانوں کو اپنے مفادات اور اقتدار سے حقیقی خطرہ صرف مسلمانوں کے اسی طبقے سے ہو تا ہے۔ لہٰذا ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اوّلاً مسلمانوں میں ایسی تحریکیں وجود میں ہی نہ آئیں اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو ان کی حتی الامکان یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایسی تحریکوں کو اس منہج یا طریقے یا بالفاظِ دیگر

[1] الاحزاب: ۲۱۔

سنت رسول ﷺ سے غیر محسوس طریقے سے ہٹا کر دوسرے طریقوں اور راستوں کو وقت کی ''حکمت و مصلحت'' اور ''جواز'' کے عنوانات کے ذریعے اختیار کرانے کی کوشش کی جائے۔

سنت رسول ﷺ کے حوالے سے ''آئمۃ المضلّین'' کا کردار:

اس کام کو بخوبی سرانجام دینے کے لئے ''آئمۃ المضلّین'' کا گروہ بہترین کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے لئے وہ سنت رسول ﷺ کے ہمہ گیر اور جامع تصور میں رکیک تاویلات ابہامات پیدا کرتا ہے۔

اوّل: یہ گروہ اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی کے وہ پہلو جو کہ آپ ﷺ کے صبح و شام کے معمولات مثلاً سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، لباس و اطوار وغیرہ کی سنتوں کے حوالے سے ہیں اُن کو اوّلاً وہ افعال قرار دیتا ہے جو کہ قابلِ تقلید نہیں، پھر ان سنن رسول ﷺ کو زمانے کے ''عرف' اور ''رواج'' پر قیاس کر دیتا ہے، یعنی زمانے کے عرف اور رواج کے اختیار کرنے کو ہی عین سنت قرار دے دیتا ہے حالانکہ یہ بات کسی صورت درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اکثر عادات ہی وہ اختیار کی جن سے مکہ میں مشرکین اور مدینہ میں یہود کی مخالفت جھلکتی تھی جیسے بالوں کی مانگ نکالنے، عمامہ کے نیچے ٹوپی پہننے، بالوں کے رنگنے کا معاملہ۔ لیکن اس کے باوجود یہ گروہ اپنی گمراہی میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ وہ ان معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے ان افعال کو ''سنت رسول ﷺ'' اور ''باعث اجر و ثواب'' ماننے سے انکار کرتے ہوئے جو لوگ رسول اللہ کی سنت سمجھ کر اختیار کریں، ان کو ''بدعتی'' اور ''تلبیسِ ابلیس'' کا شکار قرار دیتا ہے۔

یہاں ایک امر کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ سنت رسول ﷺ کا تعلق صرف عبادات اور صبح و شام کے معمولات سے نہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کی سنت کے لغوی معنی ''طریقہ و راستہ'' کے ہیں اور فقہاء وسلف وصالحین نے اس کے شرعی اور اصطلاحی معنی یہ بیان کئے ہیں کہ وہ ''طریقۂ نبوی ﷺ'' جو کہ عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات سے متعلق ہو۔ یعنی ان میں جو طریقہ آپ نے اختیار کیا وہ ''سنت رسول ﷺ'' ہے۔ چنانچہ امام فارس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''السنه وهی السیرة وسنة رسول الله ﷺ سیرته''[1]

''سنت کا معنی طریقہ ہے اور سنت رسول ﷺ سے مراد آپ ﷺ کا طریقہ ہے''۔

عام فہم میں سمجھنے کے لئے سنت رسول ﷺ کے درجات:

چنانچہ سنت رسول ﷺ کو مختلف درجات میں تقسیم کیا گیا ہے مگر عام فہم میں اس کو سمجھنے کے لئے عملی اعتبار سے چار درجات میں تقسیم کرسکتے ہیں:

① بعض عقائد و احکامات جو کہ سنت رسول ﷺ کی وجہ سے نصوص کے درجہ پر پہنچتے ہوں اور جن پر یقین و عمل فرض کے درجے کو پہنچتا ہو مثلاً عقائد میں نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام، ظہورِ مہدی اور خروجِ دجال وغیرہ اور احکامات میں شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا وغیرہ جن کے انکار سے انسان کا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

② سنت رسول ﷺ سے ثابت وہ اوامر و نواہی جن پر عمل کرنا بھی ایک مسلمان کے لئے لازم قرار پائے اور جن کے کرنے یا نہ کرنے پر بشارتیں یا وعیدیں وارد ہوئی ہوں۔(غیبت کرنا، بہتان لگانا، کسی کا مال دبا لینا، معمولات میں پیٹ کے بل چت لیٹنا، الٹے ہاتھ سے کھانا ، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا وغیرہ جن پر وعیدیں آئی ہیں۔ غرضیکہ اس طرح بہت سی مثالیں ہو سکتی ہیں)

③ اس کے علاوہ سنت رسول ﷺ سے ثابت وہ ''متواتر عادات'' جن کو ''سنت زائدہ'' بھی کہتے ہیں، اختیار کرنا قابلِ تحسین، پسندیدہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت و عشق کے اظہار کا ذریعہ ہو، اور جن کے اختیار کرنے یا نہ کرنے میں کوئی وعید یا ملامت نہ ہو مثلاً لہسن

[1] معجم مقاییس اللغة: باب س۔ن۔ن۔

اور پیاز کا استعمال نہ کرنا، ثرید اور کدو پسند کرنا، زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانا وغیرہ وغیرہ۔ اس باب میں صحابہ کرام کی سیرت و سوانح میں مثالیں بھری پڑی ہیں جن کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے کہ انہوں نے کیسے سنت رسول ﷺ سے ثابت متواتر عادات یا بالفاظِ دیگر ”سنت زائدہ“ کو حد درجے اہتمام سے اختیار کیا۔ مثلاً حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے لہسن کو صرف اس وجہ سے چھوڑا کہ وہ حرام نہ ہونے کے باوجود آپ کو فطرتاً پسند نہیں تھا۔[1] ۔اسی طرح ایک صحابی رضی اللہ عنہ اسی طرح کدو سالن میں ڈھونڈ کر کھاتے تھے جیسا کہ اللہ کے رسول کھاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے کرتے کی آستین کو قینچی کے بجائے چھری سے کاٹا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو کھلے گریبان سے دیکھا تو ساری عمر گریبان کے بٹن کھلے رکھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ایسے ہی دیکھا تھا۔[3]

”سنتِ زائدہ“ سے متعلق فقہاء و علماء کا مؤقف یہ بھی ہے کہ اگر اس کے مدمقابل کوئی عمل یا عادت کسی کافر قوم کا شعار بن جائے تو اس معاملے میں سنت رسول ﷺ سے متعلق تیسرے درجے کو اختیار کرنا بھی لازم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح بعض فقہاء اور سلف صالحین کے نزدیک عقائد اور فرائض و واجبات کے علاوہ جو شخص رسول اللہ کے صبح و شام کے معمولات سے متعلق سنن و مستحبات اور حتیٰ کہ عادات کا بھی انکار کرے مثلاً مسواک کرنا، عمامہ پہننا وغیرہ کا ”سنت رسول ﷺ“ ہونے سے منکر ہو جائے تو وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم

[2] حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم، جلد دوم، ص۴۲۵، مولانا یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ۔

[3] ابن خزیمہ، بیہقی، ابن ماجہ، ابن حبان فی صحیح۔

"لہٰذا ایسے امور (عادیہ) کا دین ہونا یقینی اور داخل ایمان ہے اور ان پر ایمان لانا فرض ہے ،(اس کا) یہ مطلب نہیں کہ ان پر عمل کرنا ضروری اور فرض ہے ،جیسا کہ متوہم (وہم) ہوتا ہے، اس لئے کہ ضروریاتِ دین میں سے بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح ہوتے ہیں، مگر ان کے مستحب یا مباح امور پر ایمان لانا یقینا فرض اور داخل ایمان ہے اور بطور عناد ان کا انکار کرنا "موجب کفر" ہے"۔[1]

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اور مسواک کرنا سنت ہے ، مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد کرنا فرض ہے اور اس کی سنیت (یعنی سنت رسول ﷺ ہونے) کا انکار کفر ہے، لیکن اس پر عمل کرنا اور علم حاصل کرنا سنت ہے، اور اس کے علم سے ناواقف رہنا حرمانِ ثواب کا باعث ہے"۔[2]

اسی طرح بعض فقہا کے نزدیک "عمامہ" پہننے کی جو "ہیت سنت" رسول ﷺ سے ثابت ہے، جو اس کا قصداً یا دلالۃ استخفاف کرے وہ بھی کافر ہے۔[3]

④ اس کے علاوہ چند امور وہ ہیں جن کو آپ ﷺ نے اپنے تک ہی خاص رکھا یا اس کو "اتفاقی" یا "وقتی" طور پر اختیار کیا۔ ان میں سے بعض ایسے امور ہیں جن کے بارے میں صحابہ کرام اور سلف وصالحین متفق ہیں کہ ان کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے تک خاص رکھا یا اتفاقی طور پر انجام دیا اور ایسے امور گنے چنے ہی ہیں مثلاً "صوم وصال" (یعنی مغرب کے افطار کے بغیر مسلسل رات اور دن کا روزہ رکھنا) اور چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ بعض امور میں صحابہ کرام اور سلف وصالحین کا اختلاف ہے، بعض

[1] اکفار المحلدین: ص۶۷۔

[2] اکفار المحلدین: ص۷۵۔

[3] دیکھئے "ردالمختار" ۴/۲۶۴ از علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ "اسلامی نظام خلافت اور ہماری ذمہ داری" از مولانا زاہد اقبال۔

نے ان امور کو اِسی چوتھے درجے پر رکھا مگر بعض نے اُس کو تیسرے درجے پر ہی اختیار کیا مثلاً: حج کے موقع پر بعض جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ "مقامِ ابطح" میں قیام کرتے تھے اور اس قیام کو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم حج کی "سنن" میں سے شمار کرتے تھے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج کے موقع دوران اس جگہ قیام کیا تھا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس جگہ قیام کو اتفاقی امر قرار دیتے ہوئے سنت نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا، لیکن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی اتفاقی امر بیان کیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی بھیڑ سے بچنے کے لئے کیا تاکہ سب لوگ مجھ سے آسانی کے ساتھ مناسکِ حج سیکھ سکیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کے دن چاہے مقیم ہو یا مسافر نمازِ ظہر و عصر کو قصر کرنے کے قائل تھے لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پوری نماز ادا کیا کرتے تھے۔

اسی طرح ہمارے ہاں مشہور آئمہ اربعہ کا بھی معاملہ یہ ہے کہ انہوں نے بعض معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقتی حکم کو ہمیشہ کے لئے لازمی قرار دیا اور بعض نے اُس کو مخصوص مانا۔ جیسے کہ صحیحین میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت کتوں کو مارنے کا حکم دیا تو مالکی حضرات نے اس کو مستقل شرعی حکم رکھا اور شوافع نے اس کو منسوخ قرار دیا۔ (اور بھی مزید مثالیں ہو سکتی ہیں)

لیکن "آئمۃ المضلّین" کا یہ گروہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تیسرے درجہ کے اختیار کرنے والوں کو قابل ملامت اور "بدعتی" اور "غالین فی السنۃ" قرار دیتا ہے۔ حالانکہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے درجے کے حوالے سے وہ امور جن کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور سلف وصالحین کا اختلاف تھا کہ یہ قابلِ تقلید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا اظہار ہیں یا یہ امور آپ نے "اتفاقی" طور پر انجام دیئے تھے، اس وجہ سے کبھی بھی اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو ان القابات سے نہیں نوازا۔

''آئمۃ المضلّین'' کا اصل مقصود جہاد کی سنت سے دور کرنا:

اصل مقصود ان آئمۃ المضلّین کا سنت رسول ﷺ کے حوالے سے یہ ہوتا ہے کہ اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ رکھنے والے مخلصین، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقرر کردہ طریقہ جو کہ دراصل ''سنت رسول ﷺ'' ہی ہے، اس سے ہٹا کر دیگر طریقوں کی طرف لے جانا جو کہ خود انسان کی اپنی ذہن پیداوار ہوں یا مغرب کے عطا کردہ نام نہاد اور دجل وفریب پر مشتمل ''انسانی ارتقاء'' کے فلسفے پر وضع کردہ جمہوری طریقے ہوں۔

چنانچہ ''خلافت'' کے قیام یا اس میں وسعت کے لئے ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی جو سنتِ رسول ﷺ، امت مسلمہ پر نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کی طرح (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ) کے حکم قرآنی کے ذریعے تاقیامِ قیامت تک کیلئے فرض قرار دی گئی ہے، اس حوالے سے بعض فرائض کی قطعیت اور حجیت سے ناآشنا مفکرین اور دانشور ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی مطلق فرضیت کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اوّل: اس حوالے سے دلیل کے طور پر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ((بنی الاسلام علیٰ خمس)) کو بنیاد بنا کر کہتے ہیں کہ اسلام کے فرائض میں جہاد شامل نہیں، حالانکہ یہ قطعی طور پر درست نہیں کیونکہ بعض دوسری صحیح روایات جو کہ ''تواتر'' کے درجہ کو پہنچتی ہیں، اُن میں جہاد کو بھی اسلام کا رکن قرار دیا گیا ہے۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے اُن کے صرف چند حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دیکھئے المعجم الأوسط للطبرانی رقم ۴۷۷۵،۵/۹۶، رقم ۳۹۸۷،المعجم الکبیر للطبرانی رقم ۱۱۵۹۸، سنن ابی داؤد رقم ۲۵۳۲،سنن البھیقی ۹/۱۵۶، رقم ۱۷۵۷۴،مسندابی یعلی رقم

۴۳۱۱، رقم ۵۲۳، الفردوس للدیلمی رقم ۲۱۸۸، مصمصنف ابن ابی شیبہ رقم ۴/۱۰۷، ۳۱۲۰، مصنف عبد الرزاق رقم ۵۰۱۱، الدر المنثور ۵/۲۰۳، ۵۹۸/۱، المستدرک للحاکم رقم ۲۴۲۱۔

سلف وصالحین میں سے بھی علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، علامہ جلال الدین سیوطی، رحمۃ اللہ علیہ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ((بنی الاسلام علیٰ خمس)) والی روایت کے بارے میں یہ بات واضح طور پر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث قطعی طور حصر نہیں کہ اسلام کا انحصار صرف ان ہی پانچ باتوں پر ہے۔[1]

اس سے سلسلے میں ہم صرف دو احادیث نقل کریں گے تا کہ بات اور نکھر کر سامنے آجائے ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((امرکم بخمس اللہ امرنی بھن ،بالجماعت والسمع والطاعت والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ))[2]

"میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتاہوں جس کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے، وہ یہ کہ

❶......... جماعت اختیار کرنے،

❷......... اور سننے اور

❸.........ماننے، اور

❹ ....ہجرت

[1] دیکھئے صحیح ابن حبان ۱/۳۷۴، حاشیہ نسائی ۸/۱۰۸ازعلامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ، فیض القدیر ۳/۲۷۰، بدائع الصناع ۲/۵، فتح الباری ۳/۳۶۱۔

[2] عن حارث الاشعری رضی اللہ عنہ، مسنداحمد، جامع ترمذی۔

❺.........وجہاد فی سبیل اللہ کا"۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے پا کر یہ عرض کی کہ مجھے ایسے عمل بتا دیجئے کہ جس کے ذریعے جنت میں داخل ہو جاؤں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں تمہیں دین کی بنیاد اور ستون اور اس کی چوٹی نہ بتلاؤں تو میں نے عرض کیا ضرور بتائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دین کی بنیاد تو اسلام (لانا) ہے اور اس کا ستون نماز (اور دیگر ارکان ہیں) اور ((ذَرْوَۃُ سَنَامِہٖ فَالْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ)) اسلام کے کوہان کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے"۔[1]

پس ثابت ہوا کہ اسلام ایک مکمل عمارت کی مانند ہے۔ بنیاد اس کی اسلام لانا ہے، ستون اس کے ارکانِ اسلام ہیں اور اس کی چھت یا چوٹی یا اس کی عظمت جہاد میں ہے۔ چنانچہ بندۂ مومن کا ایمان ہی جب مکمل ہو گا جبکہ وہ اسلام کی پوری عمارت کا قائم کرنے والا ہو گا۔ جیسا کہ قرآنی حکم یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔[2] "اے ایمان والو! دین میں پورے کے پورے دین میں داخل ہو جائو"۔ فرضیت جہاد کی آیت سے چند آیات قبل ہی آیا ہے۔ چنانچہ نفس فرضیت میں جہاد دیگر ارکان اسلام کے بالکل مساوی ہے اور جس طرح صلوٰۃ کا منکر کافر ہے اسی طرح منکرِ جہاد بھی کافر ہے۔ البتہ ادائیگی میں جہاد کبھی "فرضِ کفایہ" ہوتا ہے اور کبھی "فرضِ عین" (جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی) لیکن اس کی کبھی فرضیت اور رکنیت ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے ارکانِ خمسہ والی روایت کو جہاد سے انحراف کا سہارا بنانا بالکل درست نہیں۔ جہاد قیامت تک کے لئے اسلام کا محکم فریضہ اور رکن ہے۔ آخر میں اس موضوع کے حوالے سے ایک روایت ذکر کرنا بھی کسی خیر سے خالی نہیں ہو گا جس

---

[1] المستدرک ۲۴۰۸، مسند احمد ۲۲۱۲۔

[2] البقرۃ: ۲۱۶۔

میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ((بنی الاسلام علی خمس)) والی روایت سنائی اور فرمایا کہ:

((كَذٰلِكَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ الْجِهَادُ))[1]

"یعنی آپ ﷺ نے ایسے ہی بتلایا ہے پھر جہاد کا درجہ ہے"۔

یعنی ان ارکانِ اسلام کے بعد جہاد کو بھی ایک فریضہ قرار دیا۔

دوم: جہاد کی فرضیت کے حوالے سے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ مکی دور میں جہاد فرض نہیں ہوا تھا بلکہ مدنی دور میں آن کر جہاد فرض ہوا تھا۔ چونکہ آج ہم مکی دور میں ہیں لہٰذا آج ہم پر جہاد فرض نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دلیل "مردود" ہے کیونکہ اسلام کا متعین کردہ کوئی بھی رکن یا فرض جو کہ قرآن وحدیث کی دلیلِ قطعی سے ثابت ہو تو تکمیل شریعت کے بعد (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ)[2] کی روشنی میں اس کی فرضیت کو مکی یا مدنی دور کی بنیاد پر معطل نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ)[3] ثابت ہوگئی لیکن اب کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ چونکہ ہم مکی دور میں ہیں لہٰذا ہم پر روزے فرض نہیں یا اسلام کے ابتدائی دنوں میں جو روزے فرض تھے، وہ ہی فی الوقت ہم پر فرض ہیں، تو جو کوئی ایسا کرے تو ان لوگوں کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ دین کے معاملے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اسی طرح جو کوئی جہاد کی فرضیت کے حوالے سے یہ دلیل اختیار کرے تو وہ بے اصل ہے اور اس کی دین وشریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں خبردار کردیا تھا جو کہ آخر زمانے میں جہاد کو معطل و موٴخر قرار دیں گے۔

---

[1] مصنف ابن شیبہ ۴/۲۳۱۔

[2] المائدۃ: ۳۔

[3] البقرۃ: ۱۸۳۔

"جب تک آسمان سے بارش برستی رہے گی تب تک جہاد تر و تازہ رہے گا۔ اور لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب ان کے علماء یہ کہیں گے کہ (لَيْسَ هٰذَا زَمَانَ جِهَادٍ) یہ جہاد کا زمانہ نہیں ہے (یعنی فی الوقت معطل ہے)۔ لہٰذا ایسا دور جس کو ملے تو وہ جہاد کا" بہترین زمانہ "ہو گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا کوئی ایسا کہہ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں وہ جس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہو! (ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے) یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے"۔[1]

یہی وجہ ہے کہ جہاد اب نماز وروزہ اور حج وزکوٰۃ کی طرح ہر مسلمان پر معین طور پر تا قیامِ قیامت تک فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بنی الاسلام علی ثلاثة...... والجهاد ماض الیٰ یوم القیمة مذبعث الله محمدا صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ آخر عصابة من المسلمین لا ینقض ذلك جور جائر ولاعدل عدل))[2]

"اسلام کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی گئی ہے......... (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) جہاد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قیامت تک اس کے آخری گروہ تک جاری رہے گا، اس کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل ختم نہیں کر سکتا"۔

سید التابعین، دامادِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت امام سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ان الجهاد فرض علی کل مسلم فی عینه أبداً"[1]

---

[1] السنن الواردة فی الفتن ج:۳ص:۷۵۱، کنز العمال۔

[2] المعجم الأوسط للطبرانی رقم ۴۷۷۵،۵/۹۶،سنن ابی داؤد رقم ۲۵۳۲،سنن البیهقی ۹/۱۵۶، رقم ۱۷۵۷۴، مسند ابی یعلی رقم ۴۳۱۱،عن علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب و انس رضی الله عنهما بن مالك۔

"جہاد ہمیشہ کے لئے ہر مسلمان پر متعین طور پر فرض ہے"۔

موجودہ حالات میں جہاد فی سبیل اللہ کی سنت ادا کرنے کی عملی صورتیں:

الحمد اللہ !اب جبکہ واضح ہو گیا کہ جہاد فی سبیل اللہ ہر مسلمان پر مطلقاً فرض ہے۔لہٰذا اس کی ادائیگی کے لئے بنیادی طور پر تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔جس کے ذریعے یہ فریضہ ادا کیا جا سکتا ہے:

پہلی صورت یہ کہ خلافت کا مسلمانوں میں قیام ہو اور مسلمانوں کا امام یعنی خلیفہ سال میں ایک دفعہ یا اس سے زیادہ کفار کے علاقوں پر حملے لئے مسلمانوں کی ایک مطلوبہ تعداد طلب کرے جبکہ وہ کفار مسلمانوں کے علاقے پر حملہ آور بھی نہ ہوں۔چناچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "ردالمختار" میں لکھتے ہیں:

"کہ امیر کے لئے ضروری ہے کہ ہر سال میں امیر ایک یا دو مرتبہ لشکر روانہ کرے لہٰذا ایک سال کا جہاد دوسرے سال کے لئے کافی نہ ہو گا"۔[2]

تو اس صورت میں جہاد فرضِ عین ہوتا ہے مگر مطلوبہ تعداد پوری ہوتے ہی فرضِ کفایہ کی طرف لوٹ جاتا ہے یعنی بقیہ کی طرف سے ساقط ہو جاتا ہے۔امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب تک اتنے لوگ جہاد میں شریک ہو گئے جو کفایت پر قادر ہیں تو حکم یہ ہے کہ جہاد پھر فرضِ کفایہ کی طرف لوٹ آئے گا"۔[3]

---

[1] تفسیر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ ۳/۳۸۔

[2] الرد المختار ۳/۲۴۰۔

[3] احکام القرآن: ۴/۳۱۹۔

لیکن آج نہ خلافت قائم ہے اور نہ ہی کوئی خلیفہ ہے کہ وہ کفار کے علاقوں کی طرف جبکہ وہ کفار، مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ کرنے کا ارادہ بھی نہ رکھتے ہوں، لشکر روانہ کرے اور اس کے لئے مسلمانوں کو طلب کرے اور مطلوبہ تعداد پوری ہونے پر دوسروں کے اوپر سے یہ فریضۂ جہاد ساقط ہو جائے۔ لہٰذا جہاد کے "فرضِ کفایہ" ہونا فی الوقت موجودہ حالات میں خارج از بحث ہو گیا ہے۔

دوسری صورت یہ کہ کفار مسلمانوں کی سرزمین پر حملہ آور ہو جائیں اور مسلمانوں کی عزت و جان سے کھیل رہے ہوں یا ان کے حملہ آور ہونے کا خوف بھی ہو جائے تو بالاتفاق اس علاقے کے لوگوں پر جہاد "فرضِ عین" ہو جاتا ہے اور اس کے لئے تمام شرائط ساقط ہو جاتی ہیں اور اگر اس علاقے کے مسلمان جہاد کے لئے کافی نہ ہوں تو الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر اس کا دائرہ پوری دنیا کے مسلمانوں پر محیط ہو جاتا ہے (جیسا کہ ہم جہاد کہ باب میں اس بحث کو سمجھ چکے ہیں)۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "اور جہاں تک بات ہے "دفاعی قتال" کی، تو حرمتوں اور دین پر حملہ آور دشمن کو پچھاڑنے کے لئے یہ قتال کی اہم ترین قسم ہے اور اسی لئے اس کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ ایمان لانے کے بعد سب سے " اہم ترین فریضہ " دین و دنیا کو برباد کرنے والے حملہ آور دشمن کو پچھاڑنا ہے۔ اس کی فرضیت کے لئے کوئی شرائط نہیں (مثلاً زادِ راہ اور سواری موجود ہونے کی شرط بھی ساقط ہو جاتی ہے) بلکہ جس طرح بھی ہو دشمن کو پچھاڑا جائے گا۔ یہ بات علماء نے صراحتاً کہی ہے، خواہ ہمارے مذہبِ فقہی کے علماء ہوں، یا دیگر فقہی مذاہب کے"[1]

آج بلادِ اسلامیہ کے اکثر حصہ پر کفار حملہ آور ہو کر قابض ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کی عزتوں سے کھیل رہیں اور ان کا بے دریغ قتل عام کر رہے ہیں اور اس علاقے کے کیا اس کے قریب کے علاقے

[1] الفتاوی الکبری ۵۲۰/۴۔

لوگ بھی اس کے لئے کافی نہیں ہو رہے لہٰذا آج جہاد "فرض عین" ہو چکا ہے اور اس کا دائرہ پوری دنیا کے مسلمانوں پر پھیل چکا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خلافت موجود ہو مگر مسلمانوں پر ایسا شخص حکمران بن گیا ہو جو الحکم بغیر ماانزل اللہ قانون بنا رہا ہوں یا کسی اور وضعی قوانین کے مطابق حکومت کر رہا ہوں تو باتفاق امت مسلمانوں پر اس کے خلاف جہاد "فرضِ عین" ہو جاتا ہے (جس کی بحث ہم "طاغوت" کے باب میں سمجھ آئے ہیں)۔

آج اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ صورت بھی فی الوقت موجود نہیں، کیونکہ نہ تو آج خلافت موجود ہے اور اس کے علاوہ بلادِ اسلامیہ کہ وہ علاقے جن پر کفار بالفعل قابض نہیں، مگر اُن پر بھی حکومت کرنے والے اکثر حکمرانوں کی حیثیت کفار کے "وزراء اور معاونین" کی سی ہو گئی ہے اور عملاً ان علاقوں پر بھی کفار کی ہی عملداری قائم ہو چکی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے تاجِ برطانیہ کے تحت ہندوستان میں "وائسرائے" حاکم ہوتے تھے لیکن وہ عملاً ملکہ برطانیہ کے احکامات کے نافذ کرنے والے ہوتے تھے اور ملکہ برطانیہ جب چاہتی اُن کو حکمرانی سے ہٹا دیا کرتی تھی۔ ہمارے حکمرانوں کا احوال بھی کچھ اس سے زیادہ مختلف نہیں۔

اگر بالفرض مان بھی لیا جائے........؟

لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے مسلمانوں کا کوئی علاقہ جس میں خلافت نہ بھی قائم ہو لیکن پھر بھی خود مختار ہے اور اس پر ایسا شخص حاکم ہو گیا ہے جو کہ اللہ کے قانون کے مطابق فیصلے نہیں کر رہا ،تو جیسا کہ ہم سمجھ چکے ہیں اس کے خلاف بھی جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس صورت میں اس کے خلاف فوراً "خروج" کیا جائے اور اگر یہ سمجھتے ہوں کہ ہمارے اندر اس کی طاقت نہیں تو اس کے خلاف جہاد کے لئے مطلوبہ استعداد حاصل کرنے کی حتی الامکان کوشش

شروع کی جائے اور جیسے ہی وہ مطلوبہ استعداد میسر ہو اس حاکم وقت کے خلاف ''خروج'' کیا جائے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جہاد کے لئے تیاری کرنا ایسے وقت میں جب کہ وہ عاجزی کی بناء پر ساقط ہو قوت کے جمع کرنے اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کے ساتھ (واجب) ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ (مَالَا یَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِہٖ فَھُوَ وَاجِبٌ) ''جس معاون چیز کے ساتھ کسی واجب کی ادائیگی ہوتی ہے وہ بھی واجب ہے''۔[1]

چہ جائیکہ وہ لوگ جو اس حاکم کے خلاف جہاد کے لئے کھڑے ہوں ان کو ''خارجی و گمراہ'' قرار دیا جائے اور یہ بہانے تراشے جائیں کہ مسلمان علاقوں میں اس طرح کرنے سے ''فتنہ'' پیدا ہو گا اور ''فساد'' پھیل جائے گا۔ لہٰذا اس کے لئے جمہوری طریقوں یعنی انتخابات یا احتجاجی سیاست کے ذریعے ایسے حاکم کو بدلا جائے۔ لیکن در حقیقت ان علاقوں میں پہلے ہی کفریہ آئین و قانون کے عمل داری کی وجہ سے فتنہ پیدا ہونے کے نتیجے میں فساد پھیل چکا ہوتا ہے اور اس کا امن برباد ہو چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ''خروج یا جہاد'' تو فقط اس فتنہ و فساد کو رفع کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''تو معلوم ہوا کہ جب تک اسلام کے احکامات کی عملاً پابندی نہ ہو جائے، اس وقت تک اسلام کو خالی اپنا لینے سے قتال ساقط نہیں ہو جاتا، اس لئے جب تک دین سارے کا سارا ایک اللہ وحدہ، لاشریک کے لئے نہ ہو جائے اور جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے قتال ''واجب'' ہے ۔چنانچہ جب دین (اطاعت و پابندی، حکم و قانون) غیر اللہ کے لیے ہو جائے تو قتال واجب ہو جاتا ہے. چنانچہ وہ لوگ جو اسلام کے ظاہر و متواتر احکامات و قوانین کی پابندی نہیں کرتے

[1] مجموع الفتاویٰ: ۲۸/۲۵۹۔

،ان سے قتال کے واجب ہونے پر میں علماء اسلام میں کوئی بھی اختلاف نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ[1]

"اور قتال کرو ان سے یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے"۔

اس لئے اگر دین کچھ تو اللہ کے لئے اور کچھ غیر اللہ کے لئے ہو تو قتال واجب ہو گا جب تک دین سارے کا سارا اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔"[2]

قارئین کرام! یہ ہیں وہ چار عنوان یعنی جہاد فی سبیل اللہ، طاغوت، عقیدہ الولاء والبراء اور سنت رسول ﷺ، جس کے حوالے سے آج ہمیں اپنا نظریہ واضح رکھنا پڑے گا اور ہر ایسے رہنما، قائدین، دانشور و اسکالر اور محققین سے "سلام وصال" کہنا پڑے گا جو اس بارے میں قرآن و سنت کی نصوص اور قطعی دلائل سے ہٹ کر اپنی عقل یا کلمات کو اپنی جگہ سے اُلٹ پھیر کر کے ان چیزوں اور خاص کر جہاد فی سبیل اللہ سے کسی بھی صورت میں روکنے کا سبب بنیں کیونکہ ان معاملات پر امت محمدیہ کی زندگی و موت کا سوال ہے!

مسئلے کا تعلق دل سے ہے:

اپنی گفتگو سمیٹتے ہوئے ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ دلائل کا ڈھیر لگا دینے یا بہت سی نصوص پیش کر دینے سے یہ مسئلہ سمجھ نہیں آتا۔ اس مسئلے کا تعلق درحقیقت دل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر دل کو نور

---

[1] سورۃ الانفال:۳۹۔

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/۵۰۲،۵۱۱۔

بخش دیں تو اس نور کی روشنی میں انسان کو سب کچھ صاف صاف نظر آجاتا ہے اور اسے حق پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی لیکن اگر دل ہی نور سے محروم ہو تو انسان بالکل واضح چیزیں دیکھنے میں بھی ناکام ہو جاتا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰـكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ [1]

"حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں"۔

آیاتِ الٰہی کو سمجھنے اور دلائل کو پہچاننے کے لئے دل کی آنکھیں درکار ہوتی ہیں اور دل کی یہ آنکھیں اللہ کے خوف، احکام شریعت کی اطاعت اور عبادت میں انہماک ہی سے ملتی ہیں:

قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآٮِٕرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ‌ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ‌ۚ وَمَنۡ عَمِىَ فَعَلَيۡهَا‌ ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ [2]

"اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلائل آچکے ہیں، سو جو کوئی بصارت سے کام لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا بنا رہے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا"۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس بصیرت سے دل میں معرفت و ادراک کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ یہ وہ نعمت ہے جو بہت کچھ پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے، نہ ہی کہیں سے خریدی جاسکتی ہے۔ یہ تو محض اللہ کا انعام ہوتا ہے کہ وہ کسی بندے کی قلبی بصیرت کے بقدر اسے اپنی کتاب اور اپنے دین کا فہم عنایت فرمادیں۔

---

[1] الحج: ۴۶۔

[2] الانعام: ۱۰۴۔

اس کے برعکس اہل علم میں سے بھی جو بھی دنیا سے محبت رکھے گا اور اسے آخرت پر ترجیح دے گا ،وہ لازماً اپنے فتوؤں اور فیصلوں میں ،اپنے خطبوں اور تحریروں میں اللہ اور اس کے دین کے بارے میں ناحق بات کہے گا۔وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات اکثر اوقات لوگوں ،بالخصوص اہل اقتدار کی خواہشات اور مفادات سے ٹکراتے ہیں۔پس جو شخص بھی اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہے اسے لازماً حق کے خلاف چلنا پڑے گا۔اگر عالم اور حاکم خواہشات کے پیروکار اور عہدوں کے طلب گار ہوں ،تو ان کے لئے حق کی مخالفت کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا۔بالخصوص جب کسی مسئلے میں شبہات پیدا ہو جائیں ،تو یہ شبہات اور خواہشات مل کر حق کا چہرہ چھپالیں گے اور ان کی شہوتیں انہیں کھینچ کر اسی سمت لے جائیں گی جس سے باطل راضی ہو۔

اور اگر حق بالکل نکھر کے سامنے آجائے ،کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے تو یہ لوگ اپنی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی کھلم کھلا مخالفت پر اتر آئیں گے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ‌ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ‌ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّـلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ‌ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ [1]

''پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے کتاب الٰہی کو وراثت میں پایا (مگر پھر بھی) اس سے حقیر دنیا کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ضرور ہو جائے گی ،حالانکہ اگر ان کے پاس پھر ویسا ہی مال و متاع (دین فروشی کے عوض) آنے لگے تو یہ اس کو لے لیتے ہیں ،کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کے نام پر وہی بات کہیں جو حق ہو؟ اور جو کچھ کتاب میں لکھا ہے یہ اسے خود پڑھ بھی چکے

[1] الاعراف:۱۶۹۔

ہیں اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو (ان قبیح اعمال سے) پرہیز کرتے ہیں ،کیا تم اب بھی عقل سے کام نہیں لیتے؟"۔

پھر اسی طرح معاملہ یہ ہو جاتا ہے کہ:

"خواہشاتِ نفس کی پیروی دل کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔پھر سنت اور بدعت میں فرق ممکن نہیں رہتا بلکہ بعض اوقات معاملہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے اور انسان کو سنت ،بدعت اور بدعت ،سنت دکھائیں دینے لگتی ہے۔اگر علماء دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں،خواہشات کی پیروی کریں اور حکومتوں سے خوف کھائیں تو وہ اسی آفت کا شکار ہو جاتے ہیں"۔[1]

محض نصوص و دلائل کا ہونا کافی نہیں:

درج بالا آیات اور حوالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محض نصوص اور دلائل کا ہونا کافی نہیں ،حق کو پہچاننے کے لئے ایمانی بصیرت بھی درکار ہے۔اگر دنیا کی حرص سینے میں گھر کرلے، گناہوں کی کثرت سے دلوں میں زنگ چڑھ جائے اور معصیت الٰہی کے سیاہ نکتے پھیلتے پھیلتے پورے قلب کو تاریک کر ڈالیں تو نور کی کوئی کرن بھی دل میں داخل نہیں ہو پاتی ،اور جب دل سیاہ ہو جائے تو انسان چیزوں کو اپنی اصل صورت میں نہیں دیکھ سکتا، حق و باطل آپس میں گڈ مڈ ہو جاتے ہیں اور حق پہچاننا ممکن نہیں رہتا، بلکہ حق باطل اور باطل حق دِکھنے لگتا ہے۔

انسان کو فرقان ،یعنی حق و باطل میں فرق کرنے کی صلاحیت تبھی ملتی ہے ،اس کا دل گناہوں کی آلودگی سے تب ہی پاک ہوتا ہے اور تب ہی اسے دل کے شفاف آئینے میں ہر چیز اپنی اصلی صورت میں صاف اور واضح نظر آتی ہے، جب وہ تقویٰ اختیار کرلے:

---

[1] الفوائد: ۱۱۴/۱۱۳۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [1]

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ تمہیں فرقان عطا کرے گا اور تمہارے گناہوں کو تم سے دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے"۔

آؤ! محاذ والوں سے پوچھیں:

اسی لئے، اسلاف کو جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا یا وہ کسی معاملے میں الجھاؤ کا شکار ہوتے، تو وہ کہتے:

"چلو، محاذ والوں سے پوچھیں، کیونکہ وہی لوگ اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہیں"۔

"امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ: جب لوگوں کے درمیان کسی بات میں اختلافِ رائے پیدا ہو جائے تو دیکھو کہ محاذ والے کس طرف ہیں کیونکہ بے شک حق ان کے ساتھ ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ [2]

"اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور بالضرور ان کو اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے" [3]

ہم اپنی بات کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء پر ختم کرتے ہیں:

---

[1] الانفال: ۲۹۔

[2] العنکبوت: ۶۹۔

[3] مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: ۲۴۴/۸۲۔

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ)) [1]

"اے اللہ! جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام) کے رب! زمین و آسمان پیدا کرنے والے رب! غیب اور حاضر کا علم رکھنے والے رب! آپ ہی اپنے بندوں کے درمیان ان معاملات میں فیصلہ کریں گے جن میں وہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے! آپ ہی اس معاملے میں اپنے اذن سے حق کی طرف میری رہنمائی فرمادیجئے جس میں لوگ اختلاف کررہے ہیں۔ بلاشبہ آپ جسے چاہتے ہیں سیدھے رستے کی طرف ہدایت دے دیتے ہیں"۔

اور یہ دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمیں سعادت کی زندگی اور شہادت کی وہ موت عطا فرما، جس کی تمنا رسول اللہ ﷺ یوں کرتے تھے:

((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُّ اَنِّيْ اَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاُقْتَلُ ثُمَّ اَغْزُوْ فَاُقْتَلُ ثُمَّ اَغْزُوْ فَاُقْتَلُ)) [2]

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے! میری یہ شدید تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں جنگ کروں اور مارا جاؤں، پھر جنگ کروں اور مارا جاؤں اور پھر جنگ کروں اور مارا جاؤں"۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

[1] صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین وقصرھا۔

[2] صحیح مسلم: کتاب الامارۃ، باب فضل الجہاد و الخروج فی سبیل اللہ۔

سبحانك اللّٰھم وبحمدك اشھد اللہ لاالہ الا انت استغفرك وأتوب اليك۔

امامِ برحق

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق!
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے

دے کر احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے